اپریل-جون ۲۰۱۲ء

₹ 30/-

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

سہ ماہی مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

حي على الفلاح

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

سہ ماہی مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

اپریل تا جون ۲۰۱۳ء

مدیر: انیس احمد مدنی

مجلس ادارت:

مشرف حسین صدیقی فلاحی	دہلی
مقبول احمد فلاحی	لکھنؤ
ڈاکٹر عبدالباری فلاحی	دہلی
مولانا محمد اسماعیل فلاحی	جامعۃ الفلاح

فی شمارہ	: اندرون ملک	۳۰ روپے
	بیرون ملک	۵ امریکی ڈالر
سالانہ زرتعاون	: اندرون ملک	۱۲۰ روپے
	بیرون ملک	۲۰ امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ	: اندرون ملک	۳۰۰۰ روپے
	بیرون ملک	۳۰۰ امریکی ڈالر

❁ رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

❁ مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

نمائندے

لندن	:	رضوان احمد فلاحی
دہلی	:	نعیم احمد غازی فلاحی
علی گڑھ	:	ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی
ممبئی	:	حافظ ادہم علی فلاحی
نیپال	:	نذر الحسن فلاحی
یو.اے.ای.	:	خالد حسن رشید فلاحی
قطر	:	محمد اکرم فلاحی
کویت	:	محمد سہیل فلاحی
سعودی عرب	:	انعام اللہ فلاحی

خط وکتابت کے پتے

❁ برائے ادارتی امور

انیس احمد مدنی، جامعۃ الفلاح، بلریاگنج

اعظم گڑھ (یوپی)

❁ برائے انتظامی امور وترسیل زر

عرفان احمد فلاحی جامعۃ الفلاح بلریاگنج

اعظم گڑھ (یوپی)-276121

موبائل +91-8453757360

ای میل hayatenau123@gmail.com

Composed by: **Mohd. Abuzar Azmi**

Azamgarh, Mob.: 9580147500

ادارہ علمیہ، جامعۃ الفلاح کی مطبوعات

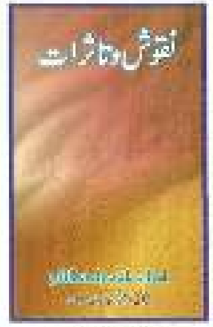

Rs. 15.00

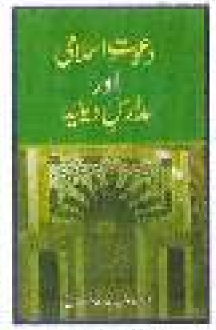

Rs. 100.00

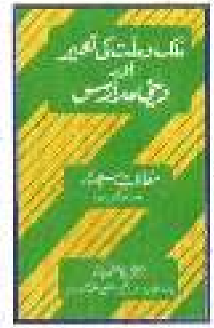

Rs. 40.00

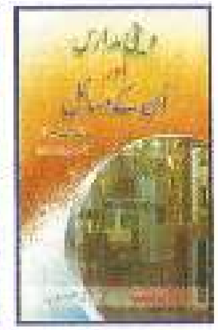

Rs. 75.00

Rs. 45.00

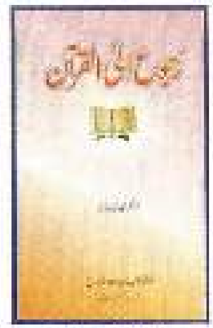

Rs. 100.00

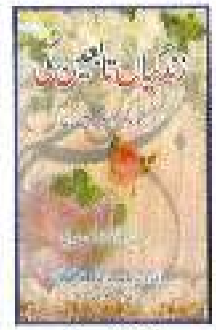

Rs. 80.00

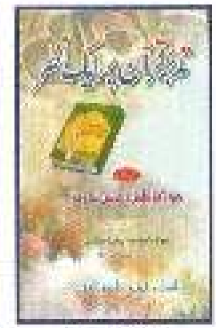

Rs. 70.00

Rs. 120.00

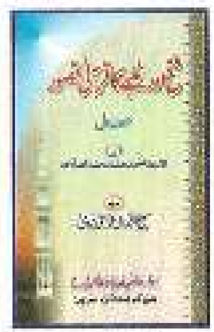

Rs. 100.00

Rs. 100.00

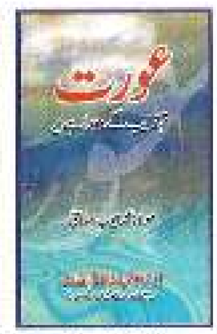

Rs. 45.00

IDARA-E-ILMIA, JAMIATUL FALAH

BILARYA GANJ, AZAMGARH, (U.P) -276121 INDIA

نقوشِ حیاتِ نو

اداریہ

نیکیوں کا پھل	انیس احمد مدنی	۳

عظمت کے مینار

محمد بن واسعؒ	افتخار الحسن مظہری	۶

بحث و نظر

قرآنی تشبیہات	عبدالرحمٰن زریاب فلاحی	۱۰

مقالات

اسلام میں عورتوں کے دستوری حقوق	ذکی الرحمٰن فلاحی	۲۳
عصری جامعات میں اسلامی قانون کی تدریس فکر اسلامی کے تقاضے	ضیاء الدین ملک فلاحی	۳۶
تفہیم القرآن ایک مطالعہ	مولانا محمد اسماعیل فلاحی	۴۸
قرآنی اسالیب دعوت	مولانا مقبول احمد فلاحی	۵۳

سیر و سوانح

تحریک اسلامی کا ایک درخشاں ستارہ روپوش	مولانا محمد عمران فلاحی	۵۷

احوال امت

سیریا	میر یونس	۶۱

حکمت دعوت

لمحہ بیداری	عبدالحمید بازلی	۶۶

روشنی کا سفر

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟		۶۷

مذاہب عالم

صابئہ	ابو القمر فلاحی	۷۳

جامعہ کے لیل و نہار	عبدالرقیب فلاحی	۷۵
روداد انجمن		۷۹

نیکیوں کا پھل

نیکیاں، دنیا و آخرت کی بھلائی کا زینہ ہیں "وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون" (سورۃ الحج: ۷۷) اور بھلائی کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ نیکی، غموں اور مصیبتوں کے ازالہ کا باعث، جنت کا راستہ، گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ اور عذاب آخرت سے نجات کا وسیلہ، غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرنے کا آلہ اور حب الٰہی کو پانے کا زینہ ہے۔

نیکیوں کے انھیں عظیم ثمرات وفوائد کی بنا پر قرآن وحدیث میں اہل ایمان کو اعمال خیر کرتے رہنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اعمال خیر کے چند عظیم فوائد ملاحظہ ہوں۔

۱- نیکیاں برے وقت میں کام آتی ہیں

ایک بار کا واقعہ ہے کہ عرب میں ابن جدعان نام کا ایک آدمی اپنے چوپایوں کو چرنے کے لیے صحرا میں چھوڑ آیا، یہ بہار کا موسم تھا، زمین کا ٹکڑا ٹکڑا اس وقت لالیوں اور ہریالیوں کی دلہن بنا ہوا تھا، اس کے چوپائے سیر ہو ہو کر چرتے اور تندرست وتوانا ہوتے رہے۔ چند روز کے بعد وہ ان کو واپس لانے کے لیے گیا تو چوپایوں کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ وہ خوب فربہ اور تن ومند ہو چکے تھے۔ اونٹنی کو دیکھ کے تو اس کے استعجاب کی انتہا نہ رہی، اس کے تھن پورے بھرے ہوئے تھے: ایسا لگتا تھا کہ کوئی تھنوں کو صرف ہاتھ سے چھو دے تو دودھ کے دھارے پھوٹ نکلیں گے۔

اس کا دل جذبہ شکر سے لبریز ہو گیا، اس کو معاً یہ آیت یاد آ گئی "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" پسندیدہ چیزیں راہِ خدا میں لٹا کر ہی نیکی حاصل ہوتی ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اونٹنی کو راہِ خدا میں صدقہ کر دے گا۔ پھر کیا تھا، مع بچے کے اونٹنی کو لے کر ایک غریب پڑوسی کے گھر جا پہنچا، دستک دی، وہ آیا تو نکیل کی رسی اس کے ہاتھ میں تھما دی اور کہا: آپ ضرورت مند ہیں، یہ اونٹنی آپ کے زیادہ کام آئے گی۔

واپس آ کر وہ اپنے کام میں لگ گیا، دن گذرتے رہے، بہار کا موسم رخصت ہو گیا، گرمی کے دن آئے تو پانی کی قلت ہر گروہ کے لیے آزمائش بن گئی، ابن جدعان اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر

پانی کی تلاش میں نکلا، ایک صحرا کے بیچ میں کچھ گڑھے نظر آئے جن کی اوپری سطح پر زمین میں کئی شگاف تھے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ اندر پانی ہے۔ ابن جدعان ان شگافوں میں داخل ہوا، اندر اسے کئی کشادہ شگاف نظر آئے، وہ پانی تک پہنچا تو دلدل میں اس کے پاؤں ایسے پیوست ہوئے کہ پھر باہر نکلنے کا یارا نہ رہا۔ بیٹے باہر انتظار کرتے کرتے تھک گئے، انھیں اس کی موت کا یقین ہوگیا، آخر گھر واپس آئے اور باپ کی چھوڑی ہوئی میراث باہم تقسیم کرلی، انھیں یاد آیا کہ ان کے والد نے غریب ہمسائے کو ایک اونٹنی دی تھی سب اس کے پاس گئے اور اس سے اونٹنی کا مطالبہ کیا، غریب نے کہا: تمہارے والد سے میں اس کی شکایت کروں گا، انھوں نے کہا کہ والد تو انتقال کرچکے ہیں۔ غریب نے کہا ایسا کیونکر ہوسکتا ہے کہ ان کا انتقال ہوا اور مجھے اس کی کوئی خبر نہ ہو، لڑکوں نے بتایا کہ وہ پانی کی تلاش کے لئے ایک زمینی غار میں اترے اور لاپتہ ہوگئے۔ غریب نے کہا: مجھے وہ جگہ دکھاؤ اور پھر اپنی اونٹنی لے لو۔ انھوں نے صحرا میں جاکے وہ جگہ دکھائی، غریب نے اپنی رسی کا ایک سرا بیٹوں کے ہاتھ میں دیا اور دوسرا سرا پکڑ کر غار میں اترا، ٹٹولتے ٹٹولتے آخر اس کا ہاتھ ایک انسانی جثہ پر پڑا، اس کو رسی سے باندھا اور آہستہ آہستہ اسے لے کر باہر آگیا، کچھ دیر کے بعد وہ ہوش میں آیا تو غریب نے اس سے پوچھا کہ آخر اتنی مدت تک تم بغیر دانہ پانی کے زندہ کیسے رہے۔ اس نے بتایا کہ ہر روز صبح وشام دودھ کا ایک بھرا کٹورا اندھیرے میں آتا اور میرے منھ سے لگ جاتا، میں سیر ہوکر اس کو پی لیتا، تو پھر وہ غائب ہوجاتا، لیکن دو روز سے نہ جانے کیوں وہ دودھ کا بھرا کٹورا نہیں آیا۔ اب غریب نے بتایا کہ جو اونٹنی تم نے مجھے نیکی کی نیت سے دی تھی، دو دن پہلے تمہارے بیٹوں نے مجھ سے وہ واپس لے لی۔

ایک شخص جو سات سالوں سے گھٹنے میں نکلے ایک زخم سے پریشان تھا، ہر طرح کے علاج ومعالجے سے مایوس ہوکر عبداللہ بن المبارکؒ کے پاس آیا اور اپنے اس زخم کا تذکرہ کیا، انھوں نے فرمایا: ایسی جگہ جہاں لوگ پانی کی قلت سے دوچار ہوں وہاں ایک کنواں کھدوا دو۔ مجھے امید ہے کہ وہاں چشمہ پھوٹ پڑے گا اور تمہارے زخم سے خون کا سلسلہ بند ہوجائے گا۔ تو اس نے آپ کے مشورہ پر عمل کیا اور اس کا زخم مندمل ہوگیا۔ (البیہقی عن العلی بن الحسن کما فی صحیح الترغیب والترھیب رقم: ۹۵۳)

۲- عذاب سے نجات کا ذریعہ

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے ایک شخص کو جنت کی نعمتوں میں نہال ہوتے ہوئے دیکھا، اس درخت کو کاٹنے کے سبب جو راستہ میں لوگوں کے لئے تکلیف و

اذیت کا باعث بن رہا تھا۔ (صحیح مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے راستہ سے کانٹوں کی ایک ڈالی ہٹادی، اللہ تعالی نے اس کے اس عمل کی قدر کی اور اس کی مغفرت فرمادی (صحیح بخاری)۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک شخص جارہا تھا اسے پیاس لگی۔ ایک کنوئیں میں اترا، پانی پی کر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے ہانپ رہا ہے اور گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ کتے کی اس بے بسی کو دیکھ کر وہ دوبارہ کنوئیں میں اترا، اپنے موزے کو پانی سے بھرا اور اس کتے کو پلادیا تو اللہ تعالی نے اس کے اس عمل کی قدر فرمائی اور اس کی مغفرت فرمادی۔ (متفق علیہ)

۳- حب الٰہی کو پانے کا وسیلہ

ارشاد رسول ہے: ”اللہ کے نزدیک سب سے محبوب ترین شخص وہ ہے جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہو اور سب سے پسندیدہ عمل وہ خوشی ہے جس سے آپ کسی مسلم کے دل کو ہمکنار کردیں یا اس کی کسی مصیبت کو دور کردیں یا اس کے کسی قرض کو ادا کردیں یا اس کی بھوک کو مٹادیں۔ خدا کی قسم کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنے کے لئے میرا اس کے ساتھ چلنا، مسجد میں ایک ماہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ جو شخص اپنے مسلم بھائی کی حاجت برآوری کے لئے چلے گا اللہ تعالی اس کے قدموں کو اس دن جمادیں گے جس دن قدم ڈگمگائیں گے۔ (رواہ ابن ابی الدنیا والطبرانی وحسنہ الالبانی)

زندگی کے یہ چند لمحات جو حاصل ہیں، انھیں غنیمت جانئے اور انھیں اعمال خیر کو سمیٹنے میں لگایئے۔ جس طرح سمندر میں موجود شخص تیرے بغیر ساحل سمندر پر نہیں پہنچ سکتا، اسی طرح جنت کے ساحل کو بھی بلا عمل وجدوجہد کے نہیں پایا جاسکتا۔

☆☆☆

نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

محمد بن واسع

افتخار الحسن مظہری ☆

حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد محمد بن واسع بزرگ تابعی ہیں۔ زاہد کامل حضرت سلمہ بن دینار کے یار غار تھے۔ شیخ التابعین حضرت حسن بصریؒ آپ کو جمال قرآن کے نام سے یاد کرتے تھے۔ آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ صرف نماز روزہ یا عبادات کے لئے ہی نفس کی تربیت نہ کی بلکہ جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے بھی اس کی تربیت کا اہتمام کیا۔ اس غرض سے وہ فاتح اسلام قتیبہ بن مسلم کے ہمراہ ہو گئے۔ حضرت قتیبہ ان کے تقویٰ و پرہیزگاری کے بڑے معتقد تھے۔ اس لئے جس غزوہ میں وہ ان کے ہمراہ ہوتے، انھیں فتح و نصرت کا یقین ہوتا۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ وہ قتیبہ بن مسلم کے لشکر میں تھے، قتیبہ خراسان میں گورنر تھے، ترکوں نے بغاوت کر دی، انھوں نے ایک آدمی کو مسجد بھیجا کہ وہ دیکھ کے آئے کہ وہاں کون کون لوگ ہیں؟ اس نے آ کے بتایا کہ مسجد میں صرف محمد بن واسع ہیں جو اپنی انگلی بلند کیے ہوئے ہیں۔ قتیبہ نے کہا: ان کی ایک انگلی تیس ہزار گھوڑ سواروں سے زیادہ مجھے پیاری ہے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۲۶۷/۳)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مجاہد کی حیثیت سے ان کی کیا قدر و قیمت تھی۔

کثرت عبادت

نفس امارہ کو زیر کر کے راہ راست پر لانے کا سب سے اہم اور کارگر ذریعہ عبادت ہے۔ اس لئے محمد بن واسع کثرت سے عبادت کرتے تھے۔ اللہ سے خوف کی شدت اور کثرت گریہ وزاری کی وجہ سے ان کے چہرہ پر بیوہ جیسی لاچاری ظاہر ہوتی تھی۔ ان کے ایک عقیدت مند جعفر بن سلیمان کہتے ہیں کہ: جب اپنے دل میں مجھے کچھ قساوت محسوس ہوتی تو میں محمد بن واسع کا چہرہ دیکھتا، ان کا چہرہ دیکھ کر دل کی قساوت دور ہو جاتی کیونکہ اس پر بیوہ جیسی لاچاری چھائی رہتی ہے۔

☆ استاذ جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

دنیا سے بے رغبتی

تابعین کرام کی زندگی کا یہ پہلو بھی بڑا سبق آموز ہے کہ دنیا کی ان کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ دنیا دل سے نکل کر ان کے ہاتھوں میں آ گئی ہے۔ وہ اس سے محبت کرنے اور بٹورنے کے بجائے لٹاتے تھے اور صرف اس سے اتنی ہی محبت کرتے تھے جتنی اللہ سے قربت کا وہ ذریعہ ہو۔ اس لئے دنیا کے جانے کا ان کو غم نہ تھا۔ بس یہ تمنا تھی کہ اللہ کی رضا و قرب حاصل ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں:

دنیا میں تین چیزیں ایسی ہیں جن کے نہ ہونے کا مجھے افسوس ہوگا۔ ایک دوست جو میری کجی کو درست کرتا رہے۔ دوسرے باجماعت نماز جو میرے سہو کی تلافی کرتی رہے اور ثواب کی زیادتی کا بھی ذریعہ ہو۔ تیسرے وہ نان شبینہ جس میں کسی کا احسان نہ ہو اور اللہ کے یہاں اس کی کوئی باز پرس یا وبال نہ ہو۔ (صفۃ الصفوۃ: ۲۷۰/۳)

وہ پہلی چیز جس کے نہ ہونے سے ان کو دنیا میں غم لاحق ہوگا ایسا دوست ہے جو نفس کی تربیت میں ان کا معین و مددگار ہو۔

دنیا کو دل سے نکال دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کھانے پینے کی جائز و حلال چیزوں کو بھی چھوڑ دیا جائے اور پھٹی پرانی گدڑیاں بدن پر لپیٹ لی جائیں، معاشرے اور سماج سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے، کھانا دھانا چھوڑ دیا جائے۔ یہ باتیں زہد سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں اور نہ ہی روح اسلام سے یہ میل کھاتی ہیں۔ یہ تو رہبانیت یا برہمنیت ہے۔ اسلام اس کو حرام قرار دیتا ہے۔ زہد کا تعلق تمام تر دل سے ہے۔ اصلی زہد یہ ہے کہ دل میں دنیا کی محبت نہ ہو۔ محمد بن واسع فرماتے ہیں:

"وہ آدمی قابل رشک ہے جس کے پاس دین ہو اور دنیا نہ ہو پھر بھی شاد ہو۔" (سیر اعلام النبلاء: ۱۲۱-۶)

نفس کے لئے سب سے بڑا فتنہ دنیوی جاہ و منصب ہوتا ہے۔ وہ نفس کو سرتاپا بدل کے رکھ دیتا ہے۔ اس لئے تابعین اس سے دور رہنے کی کوشش کرتے تا کہ نفس کی تعمیر و تربیت کی جو محنت انھوں نے کی ہے وہ سب رائیگاں نہ ہو جائے۔ مالک بن منذر گورنر تھے۔ انھوں نے محمد بن واسع کو بلایا اور منصب قضا کی پیشکش کی۔ محمد بن واسع نے انکار کر دیا۔ گورنر نے دوبارہ پیشکش کی اور کہا کہ اگر یہ منصب قبول نہ کیا تو تین سو کوڑے ماروں گا۔ انھوں نے کہا: اختیار و اقتدار آپ کے ہاتھ میں

ہے۔ یاد رکھئے، دنیا کی ذلت آخرت کی ذلت سے بہتر ہے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۶-۱۲۲)

دنیا پرست دنیا ہی کے لئے جیتے مرتے ہیں۔ اس لئے وہ اسے حماقت کہیں گے کہ دنیا کھنچ کر خود کسی کے پاس آئے اور وہ اسے لینے سے انکار کر دے۔ بعض امراء نے خود ان لوگوں کو احمق کہا جنھوں نے مناصب نہ قبول کئے۔

محمد بن واسع ؒ کہتے ہیں: اس معاملہ میں بچپن ہی سے مجھ کو احمق کہا جاتا رہا ہے۔ ان کی ایمانی حمیت کو یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ کسی ایسے شخص کا کوئی ہدیہ قبول کر لیں جس کی آمدنی کے ذرائع مشکوک ہوں۔ اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود ایسے ہدایا قبول نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے دوستوں کو بھی منع کیا کرتے تھے۔ بصرہ کے گورنر نے شہر کے علماء کو اپنی نوازشات کا تحفہ بھیجا۔ تمام علماء نے وہ تحفے خوشی خوشی قبول کر لئے۔ محمد بن واسع کو معلوم ہوا کہ ان کے دوست، مالک بن دینار نے بھی وہ تحفہ قبول کر لیا ہے تو اعتراض کیا اور کہا: آپ نے وہ انعامات کیسے قبول کر لئے؟ انھوں نے کہا: میرے دوسرے دوستوں سے پوچھئے۔ دوستوں نے کہا: اے محمد بن واسع ہم اس سے غلام خرید کر آزاد کر دیں گے۔ محمد بن واسع نے مالک بن دینار سے کہا: میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ صحیح صحیح بتاؤ کہ یہ تحائف قبول کر لینے کے بعد تمہارے دل کا حال کیا ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا؟ مالک بن دینار نے کہا: میں گمان کرتا تھا کہ وہ تحائف قبول کر لئے اس کے لینے کے بعد سے دل کا حال دگرگوں ہے۔ اللہ کی عبادت صحیح معنوں میں آپ ہی جیسے لوگ کر سکتے ہیں۔

عمل کا اخفاء

تابعین کے دلوں میں یہ تمنا مچلتی رہتی تھی کہ ان کے اعمال اللہ قبول فرمائے۔ اسی لئے ان کی کوشش ہوتی کہ دنیا کی نگاہوں سے ان کے اعمال مخفی رہیں۔ وہ اپنے اعمال کو اس لئے بھی ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے کہ اس سے ریاء و نمود اور خود پسندی کے راہ پانے کا اندیشہ تھا۔ عمل کا یہ اخفاء وہ اس حد تک کرتے تھے کہ ان کے کسی قریب ترین شخص کو بھی ان کی عبادات کا حال معلوم نہ ہوتا۔ وہ خود فرماتے ہیں:

ایک انسان بیس سال تک رو رو کے آنسو بہاتا رہا لیکن اس کی بیوی کو بھی اس کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء: ۶-۱۲۲)

اخفاء اعمال کی ان کے نزدیک اتنی اہمیت تھی کہ زندگی کے آخری لمحے تک وہ اپنے

دوستوں کو اس کی تاکید کرتے رہے۔ حماد بن زید فرماتے ہیں:

ہم مرض الموت میں ان کے پاس عیادت کے لئے بیٹھے تھے اسی دوران بکاء آئے۔ (زیادہ رونے کی وجہ سے بکاء ان کا لقب ہو گیا تھا) لوگوں نے کہا: بکاء بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ محمد بن واسع نے کہا: وہ دن سب سے برا تھا جب تم کو بکاء کہا گیا۔ (صفۃ الصفوۃ: ۳-۲۶۹)

انھوں نے یہ بات اس لئے کہی کہ جو بات اللہ اور بندے کے درمیان راز کی حیثیت رکھتی تھی، اس کو عام کر دیا جو عنداللہ اس کے قبول نہ ہونے کا سبب بن سکتی ہے۔

جانکنی کے عالم میں نفس کی سرکوبی

نفس کی سرکوبی سے تابعین کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ ہمیشہ اس کے درپے اصلاح رہتے، ان کو اپنے نفس کا حال معلوم تھا۔ اس لئے کوئی چاہے کتنی ہی ان کی تعریف کرے وہ اس سے دھوکے میں نہ پڑتے، بلکہ اس پر اپنا دباؤ رکھنے کی ہر حال میں ہمیشہ تدبیریں کرتے رہتے حتیٰ کہ نزع کے عالم میں بھی ان کو اس کی فکر دامن گیر رہتی۔ ان کے ایک دوست کا بیان ہے کہ آخری وقت میں جب ان کی حالت زیادہ دگرگوں ہوئی تو عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ میں بھی پہنچا، دیکھا کہ کچھ لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ کھڑے ہیں۔ وہ میری جانب ملتفت ہوئے اور کہا بتاؤ کل مجھے گھسیٹ کے جہنم میں ڈالا جائے تو یہ لوگ میرے کس کام آئیں گے؟ پھر یہ آیت پڑھی "یعرف المجرمون بسیماھم فیؤخذ بالنواصی و الأقدام"

(صفۃ الصفوۃ: ۳/۲۷۱)

☆☆☆

کائنات کی ہر چیز علماء کے لئے استغفار کرتی ہے

انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم والے کے حق میں ہر چیز استغفار کرتی ہے۔ یہاں تک کہ سمندر میں موجود مچھلیاں بھی۔

(اخرجہ ابو یعلی باسناد صحیح)

قرآن کی ایمانی تشبیہات اور ان کی حکمتیں

عبدالرحمٰن زرد یاب فلاحی ٭

(۱) اللہ تعالیٰ نے ایمان کو جن جن چیزوں سے تشبیہ دی ہے ان میں سرفہرست ''آگ'' ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی'' (سورۃ البقرہ)[۱۷] دوسری جگہ ارشاد ہے: ''اور اس چیز میں بھی جس کو آگ میں ڈال کر تپاتے ہیں''۔ (سورۃ الرعد)[۱۷]

اللہ تعالیٰ نے یہاں ایمان کو آگ سے جو تشبیہ دی، اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے:

(الف) جس طرح کھوٹے سونے کو آگ پر تپانے سے سارا کھوٹ دور ہو جاتا ہے اور خالص سونا باقی بچتا ہے ٹھیک ایسا ہی معاملہ روز محشر کا بھی ہے کہ جب گنہگار کو آگ دکھائی جائے گی تو وہ اس کے تمام گناہوں اور معاصی کو جلا کر خاکستر کر دے گی اور اس کا ایمان صحیح سالم بچ جائے گا۔

(ب) جس طرح آگ ہر شئی کو جلا دیتی ہے اس طرح جب نور ایمانی کی لو تیز ہوتی ہے تو وہ دل سے غیر اللہ کی محبت کو جلا کر نیست و نابود کر دیتی ہے۔ اس کا ارشاد ہے: ''آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو ان کے خرافات میں کھیلنے دیجئے۔'' (سورۃ الانعام)[۹۲]

(۲) دوسری چیز جس سے اللہ نے ایمان کو تشبیہ دی ہے وہ ''نور'' ہے۔ ارشاد ہے: ''اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کی ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشے کی قندیل میں ہو۔'' (سورۃ النور)[۳۵]

اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل وجوہات کی وجہ سے عرفان الٰہی کو اپنی ذات سے منسوب کیا ہے۔

(الف) اللہ تعالیٰ نے معرفت الٰہی کو اپنی ذات سے منسوب اس لئے کیا ہے تاکہ شیطان مردود صاحب عرفان کو اپنی حرص وطمع کا نشانہ بنانے سے قطعی طور پر مایوس ہو جائے۔ کیونکہ معرفت

٭ سابق استاذ جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

بڑا انمول رتن ہے، اس کی قیمت بہت اونچی ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ صاحب عرفان کبھی غفلت کا شکار ہو جاتا ہے اور شیطان اس کے مقابلے میں بڑا مکار اور چالباز واقع ہوا ہے۔ اس کا سب سے بڑا نصب العین ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا شناس کو معرفت حق سے محروم کر دے، لیکن اللہ رب العزت نے اپنی رحمت بے پایاں سے معرفت کو اپنی حمایت میں لے رکھا ہے تاکہ ابلیس اس پر اپنی حرص وطمع کی کمند نہ ڈال سکے۔ بطور شہادت اللہ کا یہ ارشاد نقل ہے جو اس نے شیطان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

''میرے بندے پر تجھے کوئی غلبہ نہیں......'' (سورۃ الحجر)[۴۲]

اس آیت میں جب اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی ذات سے منسوب کیا تو شیطان کو ان پر اپنی حرص وطمع کی کمند ڈالنے کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں اور وہ چیخ اٹھا۔ کہنے لگا: ''پھر تو تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو یقیناً بہکا دوں گا بجز تیرے ان بندوں کے جو چیدہ اور پسندیدہ ہیں'' (سورہ ص)[۸۲-۸۳]

(ب) بندوں کے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ دراصل اللہ کی ملکیت ہوتا ہے کیونکہ وہی ان کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے، کوئی بندہ جب اس درجہ و مقام کو پہنچ جاتا ہے کہ وہ اپنی ساری پونجی اور دولت خدا کی ملکیت سمجھنے لگتا ہے تو گویا وہ اپنے ایمان کے درجہ کمال کو پہنچ جاتا ہے ایسی ہی صورت میں اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتا ہے کہ جو کچھ اس کا ہے وہ ہمارا ہے اور جو کچھ ہمارا ہے وہ اس کا ہے اور وہ معرفت جو اس کو حاصل ہے وہ ہمارے لئے ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ بلاشبہ اللہ نے معرفت کو اپنی ذات سے منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے: ''اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کی ہے جس میں چراغ ہو۔'' (سورۃ النور)[۳۵]

(ج) کسی شئی کو ذات الٰہی سے منسوب کرنا دراصل اس کی قدر و منزلت اور شرافت و عظمت کی علامت ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

''اور میرے گھر کو طواف، قیام، رکوع، سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھنا۔'' (سورۃ الحج)[۲۶]

اسی طرح ''یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے۔'' (سورۃ الانعام)[۷۳]

اور ''اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا۔'' (سورۃ الجن)[۱۹]

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ عرفان الٰہی کی ذات الٰہی کی طرف اضافت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے بندوں کو حاصل ہونے والی سب سے افضل و اشرف خلعت و نوازش

ہے۔ مذکورہ بحث سے متعلق کچھ سوالات ہوسکتے ہیں جن پر غور کرلینا مفید ہوگا۔

سوال ۱:- اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت یعنی عرفان الٰہی کو چراغ کی روشنی سے تشبیہ دی ہے، اس کے اندر کیا حکمت ہے؟

اس سوال کے مندرجہ ذیل جوابات ہوسکتے ہیں:

(الف) جس گھر میں چراغ روشن ہوتا ہے اس میں ذلت و رسوائی کے خوف سے کوئی چور گھسنے کی جسارت نہیں کرپاتا بالکل یہی معاملہ قلب انسانی کا بھی ہے، کیونکہ جب خانۂ دل میں معرفت الٰہی کا چراغ روشن ہوتا ہے تو شیطان اپنے ذلیل و خوار ہونے کے ڈر سے اس دل میں گھر کرنے کی جرأت نہیں کرپاتا۔

(ب) جس گھر میں چراغ روشن ہوتا ہے، اس کے مالک کو گھر کے سامان ڈھونڈنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ٹھیک یہی حال انسانی دل کا بھی ہوتا ہے، کیونکہ جب اس میں عرفان الٰہی کا چراغ روشن ہوتا ہے تو وہ اس کی مدد سے مشروعات الٰہیہ تک رسائی حاصل کرلیتا ہے۔

(ج) جب کسی گھر میں چراغ روشن ہوتا ہے تو اس کی روشنی سے نہ صرف یہ کہ صاحب خانہ ہی تنہا مستفید ہوتا ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی افراد خانہ اس چراغ سے یکساں استفادہ کرتے ہیں ٹھیک اسی طرح معرفت الٰہی سے منور دل سے بھی دوسرے لوگ یکساں استفادہ کرتے ہیں۔

(د) جس طرح کسی گھر کے اندر شیشے سے بنے روشندان کے اندر روشن چراغ اندرون خانہ اور بیرون خانہ دونوں کو اپنی روشنی سے منور کرتا ہے اسی طرح چراغ معرفت الٰہی قلب انسانی کے ظاہر و باطن دونوں کو ضوفشانی عطا کرتا ہے یہاں تک کہ اس چراغ عرفان الٰہی کا نور آنکھوں، کانوں اور زبانوں تک پر ظاہر ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ان اعضاء سے مختلف قسم کی اطاعت و بندگی کا ظہور ہوتا ہے۔ امام ترمذی نے دعا کے باب میں ابن مسعودؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا اشارہ اسی نور ہدایت کی طرف ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

"اللھم اجعل فی قلبی نورا و فی سمعی نورا و فی بصری نورا و فی عظمی نورا و فی مخی نورا [اخرجہ الترمذی فی الدعوات عن ابن مسعودؓ]

(ح) جب تک کسی گھر میں چراغ روشن ہوتا ہے اس وقت تک صاحب خانہ خوش اور مسرور رہتا ہے، لیکن جیسے ہی چراغ بجھتا ہے وہ ڈر و خوف محسوس کرنے لگتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب دل کے اندر چراغ معرفت روشن ہوتا ہے انسان شاد و کام رہتا ہے لیکن جیسے ہی وہ اس نور ہدایت سے

محروم ہوتا ہے وہ غم و اندوہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

"سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کردیتا ہے اور جسے بے راہ رکھنا چاہے اس کے سینہ کو بہت تنگ کردیتا ہے۔ جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہو۔ (سورۃ الانعام) [۱۲۵]

(د) جس طرح چراغ کا ظاہری جسم و ڈھانچہ چھوٹا ہونے کے باوجود اس کی روشنی چہار جانب بکھرتی ہے اسی طرح نور ہدایت قلب انسانی کے چہار سو ضوفشانی کرتا ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

"اور مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔" (سورۃ البقرۃ) [۱۱۵]

"اور خصوصاً اوپر کی جانب" تمام تر ستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔" (سورۃ الفاطر) [۱۰]

سوال ۲:- چراغ معرفت الٰہی اور چراغ عالم آب و گل یعنی سورج کے درمیان فرق کیا ہے؟

یہ فرق مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) سورج پہ بدلیاں چھا جاتی ہیں، اسے ڈھانک لیتی ہیں، چھپا لیتی ہیں، لیکن معرفت الٰہی کے چراغ کو سات آسمان بھی محجوب نہیں کرپاتے۔

(ب) سورج شب میں پردہ خفاء میں چھپ جاتا ہے، لیکن چراغ معرفت الٰہی نہ تو دن میں غائب ہوتا ہے اور نہ ہی رات میں بلکہ رات میں تو یہ اور بھی زیادہ ضوفشانی کرتا ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

"بے شک رات کا اٹھنا دل جمعی کے لئے انتہائی مناسب ہے۔" (سورۃ المزمل) [۶]

"پاک وہ اللہ جس نے اپنے بندے کو رات ہی رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے۔" (سورۃ الاسراء) [۱]

"شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔" (سورۃ القدر) [۳]

(ج) سورج ایک روز فنا ہو جائے گا جیسا کہ قرآنی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ "جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔" (سورۃ التکویر) [۱] اس کے برعکس معرفت الٰہی کو ابدیت حاصل ہے، اسے فنا نہیں ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر اسی کا منہ" یعنی علاوہ اس کے جو

اللہ کی رضا سے حاصل ہو۔ (سورۃ القصص) [۸۸]

(د) سورج ظاہر ہوتا ہے لیکن معرفت ظہور میں نہیں آتی۔ دکھائی نہیں دیتی۔

(ہ) سورج چیزوں کو کالا کر دیتا ہے لیکن معرفت ان کو جلا بخشتی ہے۔

(و) سورج جلاتا ہے لیکن معرفت نارِ جہنم سے نجات دلاتی ہے۔

(ز) سورج کبھی مفید ہوتا ہے تو کبھی مضر لیکن معرفت ہمیشہ مفید ہوتی ہے، کبھی بھی مضر نہیں

(ح) سورج کے فوائد صرف دنیا تک محدود ہیں لیکن معرفت کے فوائد دنیا و آخرت دونوں پر محیط ہیں۔

(و) سورج اہل زمین کے لئے زینت ہوتا ہے تو معرفت اہل آسمان کے لئے۔

(ز) سورج اونچائی پر واقع ہوتا ہے اور اپنے ماتحت کو منور کرتا ہے جبکہ معرفت مومن کے دل میں اندر ہوتی ہے اور اپنے مافوق کو روشن کرتی ہے۔

(ح) سورج سے کائنات کا وجود ظاہر ہوتا ہے لیکن معرفت سے خالق کائنات کا علم حاصل ہوتا ہے، اس کی دلیل امیر المومنین حضرت علیؑ کا وہ قول ہے جو انھوں نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ ”کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟“ تو آپ نے کہا: ”میں کسی ایسے رب کی بندگی نہیں کرتا جس کو میں نے دیکھا ہی نہ ہو۔“

(و) سورج اللہ کے دشمن و دوست دونوں کو اپنی روشنی سے مستفید کرتا ہے لیکن معرفت صرف اولیاء اللہ ہی کو حاصل ہوتی ہے۔

(ز) سورج کا فائدہ انسان کو صرف دنیوی زندگی میں حاصل ہوتا ہے اس کے برعکس معرفت الٰہی کی بیج آوری انسان دنیا میں کرتا ہے اور آخرت میں اس سے مستفید ہوتا ہے۔

(ح) سورج مخلوق کا چراغ ہے اور معرفت خالق کائنات کا۔

(ط) اجرام سماویہ کی جائے طلوع آسمان ہے اور معرفت کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

(ی) یہ اجرام سماویہ خالق کائنات کی بہت سی علامتیں اپنے اندر رکھتے ہیں جبکہ معرفت اللہ کا فیض و کرم ہے، جس کو چاہتا ہے اسے نوازتا ہے۔

سوال ۳:- چراغ دنیا اور معرفت الٰہی میں کیا فرق ہے؟

حسب ذیل فرق ہے:

(الف) دنیوی چراغ کی روشنی میں تاریکی کی آمیزش ہوتی ہے یہ تاریکی وہ دھواں ہے جو

اسے اونچا اٹھاتا ہے، اس کے برعکس معرفت الٰہی کے چراغ کی روشنی صاف شفاف ہوا کرتی ہے، یہاں تاریکی کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔

(ب) دنیوی چراغ دوسروں کو نفع پہنچانے کے لئے خود کو جلاتا ہے لیکن معرفت الٰہی کا چراغ گناہوں کو جلاتا ہے۔ قلب انسانی کو منور کرتا ہے اور اندرون کو راحت پہنچاتا ہے۔

(ج) دنیوی چراغ کی روشنی سورج کے مقابلے میں مدھم پڑ جاتی ہے لیکن توحید و ایمان کے چراغ سے خود سورج کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔

(د) چراغ دنیوی بے وفا ہوتا ہے کیونکہ جو شخص اس میں بتی لگاتا ہے اسے روشن کرتا ہے یہ اسے بھی اس طرح جلا سکتا ہے جس طرح نہ جلانے والے کو جلاتا ہے۔ اس کے برعکس عرفان الٰہی کا چراغ باوفا ہوتا ہے، کیونکہ وہ اپنے روشن کرنے والے کو جلاتا نہیں بلکہ اسے جلنے سے بچاتا ہے۔

سوال ۴:- معرفت کو چراغ سے تشبیہ دینے میں کون سی حکمت مضمر ہے؟

(الف) پہلی حکمت تو یہ ہے کہ چراغ کے لئے ہوا مضر ہوتی ہے اور معرفت کے لئے وسوسے۔

(ب) دوسری حکمت یہ ہے کہ چراغ بغیر تیل کے نہیں جل سکتا، اسی طرح معرفت الٰہی بھی اللہ کی توفیق و عنایت خاص کے بغیر باقی نہیں رہتی۔

(ج) چراغ کے لئے ایک محافظ و نگراں کا ہونا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح معرفت کے لئے بھی محافظ و نگراں ناگزیر ہے اور یہ نگراں اللہ کی رحمت اور اس کا فضل خاص ہی ہو سکتا ہے۔

سوال ۵:- دل کو شیشہ سے تشبیہ دینے میں کونسی حکمت کارفرما ہے؟

اس کے اندر مندرجہ ذیل حکمتیں کارفرما ہیں:

(الف) سونا اور چاندی بلا شبہ قیمتی ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کے اندر کثافت ہوا کرتی ہے، اگر ان کو دو چیزوں کے درمیان رکھ دیا جائے تو حجاب بن جاتے ہیں اس کے برعکس شیشہ اگرچہ وہ قیمتی نہیں، پھر بھی اپنے اندر لطافت رکھتا ہے وہ صاف اور شفاف ہوتا ہے، اس سے پردہ و حجاب کا کام نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ اس کے باطن سے ظاہر کو اور ظاہر سے باطن کو بآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی رفع حجاب کے لئے اللہ نے اس مثال کو ذکر فرمایا ہے۔

(ب) انسان شیشے کے برتن کے لئے نہیں بلکہ اس کے اندر جو کچھ موجود ہوتا ہے، دراصل اس کے لئے فکر مند ہوتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے کہ وہ اپنے دل کے لئے نہیں بلکہ اس کے اندر موجود ایمان کے لئے فکر مند ہوتا ہے۔

(ج) شیشہ ٹوٹ جانے کے بعد جب تک اس کو بھٹی میں ڈال کر پگھلایا نہ جائے وہ درست نہیں ہو سکتا، بالکل یہی معاملہ دل کا بھی ہے۔ جب اس کے اندر فساد پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی اصلاح بھی اسی طریقہ سے ممکن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے۔ یہ تیرے پروردگار کا ذمہ قطعی فیصلہ شدہ امر ہے۔ (سورہ مریم) [۷۱-۷۲]

(د) جس کے پاس سونا اور چاندی ہوتی ہے، وہ ان کے ٹوٹنے سے ڈرتا نہیں کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے سونا اور چاندی کی قیمت میں کوئی فرق پڑنے والا نہیں۔ لیکن اس کے برعکس جس کے پاس شیشہ ہوتا ہے وہ بڑا چوکنا اور مستعد رہتا ہے کیونکہ وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوتا ہے کہ شیشے کے ٹوٹنے سے اس کی قیمت بھی باطل ہو جائے گی۔ اسی بیداری اور مستعدی کا ثبوت ایک مومن کو بھی دینا چاہئے۔ نہ کہ صاحب سیم و زر کی طرح مامون رہے۔

(ہ) شیشے سے نکلنے والی روشنی سونے اور چاندی کے اندر موجود روشنی سے کہیں زیادہ حسین، دلکش اور کامل ہوا کرتی ہے۔ ''انا عند المنکسرۃ قلوبھم'' میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

سوال ۶:- شیشہ کو کوکب دری سے تشبیہ دینے میں کونسی حکمت مضمر ہے؟

اس سوال کے متعدد جواب ہو سکتے ہیں:

(الف) اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ستارے اہل زمین کے لئے راہ نما ہوتے ہیں

''اور ستاروں سے بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں۔'' (سورۃ النحل) [۱۶]

یہی ستارے اہل آسمان کے لئے سامان زینت ہیں۔

''ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا۔'' (سورۃ الصافات) [۶]

بالکل یہی حال دل مومن کا بھی ہے کیونکہ وہ اہل ایمان کو خیرات و صالحات کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اہل آسمان کے لئے سامان تفریح بھی ہے۔ اس لئے کہ عارف باللہ کی معرفت کے سلسلے میں مروی ہے کہ وہ اہل آسمان کے لئے بالکل ایسے ہی ضو فشانی کرتی ہے جس طرح ستارے اہل زمین کے لئے روشنی بکھیرتے ہیں۔

(ب) ستاروں پر شیاطین کو قدرت و غلبہ حاصل نہیں ہوتا ہے، بلکہ ستارے خود ہی شیاطین کو مارتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

''بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا اور انھیں شیاطین

کے مارنے کا ذریعہ بنا دیا'' (سورۃ الملک) [۵]

ٹھیک اسی طرح ایک مومن کے دل تک بھی شیاطین کو رسائی حاصل نہیں ہوتی بلکہ مزید برآں اس کے دل کا نور اور ایمان خود ہی شیاطین کو جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں۔ اسی کے مد نظر اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

''میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں'' (سورۃ الحجر) [۴۲]

اور فرمایا: ''جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔'' (سورۃ الناس) [۵]

مذکورہ آیت میں اللہ نے لوگوں کے سینوں میں'' جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں نہ کہ لوگوں کے دلوں میں'' اسی سلسلے میں مزید ارشاد ربانی ہے:

''یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں۔ سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔'' (سورۃ الاعراف) [۲۰۱]

یہی تفکر اور تدبر نور ایمانی کا ظہور ہوتا ہے اور آنکھیں کھل جانے سے اشارہ شیاطین کے وسوسوں کو جلانا ہے۔

سوال ۷:- کس حکمت بالغہ کے پیش نظر اللہ نے دل کو سورج و چاند کے بجائے ستارے سے تشبیہ دی ہے؟

مندرجہ ذیل تین حکمتوں کے پیش نظر اللہ نے ایسا کیا ہے:

(الف) ستارے دن کو آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں اور صرف شب میں ظاہر ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح عارف باللہ بھی دن کی روشنی میں لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے لیکن جیسے ہی رات تاریکی کی چادر زیب تن کرتی ہے وہ خدمت خلق اور بندگی خالق کائنات کا مظہر اتم بن جاتا ہے۔

(ب) ستارے آسمان دنیا کے لئے سامان فرحت و زینت ہوتے ہیں تو دل صاحب معرفت کے لئے زینت ہوتا ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ستارے آسمان کے چراغ ہیں۔

''بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا۔ (سورۃ الملک) [۵]

سوال ۸:- کیا ایمان کو چراغ سے تشبیہ دینے میں اہل ایمان کے لئے کوئی بشارت ہے؟

اس سوال کے مندرجہ ذیل جوابات ہو سکتے ہیں:

(۱) سورج ایک ایسا چراغ ہے جس کو اللہ نے ایک روز فنا ہو جانے کے لئے روشن کر رکھا ہے۔ کسی کے دست قدرت میں نہیں کہ سورج کو محروم روشنی کر دے اس کے بالمقابل معرفت حق کے

چراغ کو اللہ رب العزت نے بقاء کے لئے روشن کیا ہے، لہٰذا ابلیس اس کو بجھانے پر کیسے قادر ہو سکتا ہے۔

(۲) اللہ نے سورج کو آسمان میں روشن کر رکھا ہے جو اتنی دوری پر واقع ہونے کے باوجود آپ کے گھر سے ظلمت و تاریکی کو دور کرتا ہے تو پھر جس آفتاب معرفت کو اللہ نے قلب انسانی میں چمکا رکھا ہے، وہ شدت قرب کی وجہ سے معصیت و گمراہی کی تاریکی کو کیسے دور نہیں کرے گا؟

(۳) جو شخص کوئی چراغ جلاتا ہے، اسی پر اس کی حفاظت و نگرانی بھی عائد ہوتی ہے۔ آفتاب معرفت کو روشن کرنے والا خود خالق کائنات ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''ان کے دلوں میں اللہ نے لکھ دیا ہے ایمان۔'' (سورۃ المجادلۃ) [۲۲]

''پس یقیناً اللہ نے اپنی رحمت پر اس کی مدد اور حفاظت کو واجب کر رکھا ہے۔ ارشاد ہے: ''ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ نگہبان ہیں اس کے۔'' (سورۃ الحجر) [۹]

(۴) چور جب کسی گھر میں چراغ جلتے ہوئے پاتا ہے تو اس گھر میں چوری کی ہمت نہیں کر پاتا۔ جب اللہ نے آپ کے قلب میں چراغ ہدایت روشن کر دیا ہے تو پھر شیطان آپ سے کیسے قریب ہو سکتا ہے؟

(۵) مجوسی آگ جلاتے ہیں اور پھر اس کو بجھانا نہیں چاہتے۔ اللہ جو سارے جہاں کا مالک ہے اور ہر عیب و نقص سے جس کی ذات پاک ہے، نے آپ کے قلب میں معرفت اور اپنی محبت کی آگ بھڑکائی وہ اس کے بجھنے کو کیسے پسند کرے گا؟

(۶) جو شخص کوئی چراغ جلانا چاہتا ہے اسے چھ چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:

۱- چقماق، ۲- پتھر، ۳- تپش و جلن، ۴- گندھک، ۵- چراغدان، ۶- فتیلہ و تیل

(۷) کسی بندے کو جب چراغ معرفت جلانا مطلوب ہو تو اسے بھی جد و جہد کی زنا درکار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور جنھوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں'' (سورۃ العنکبوت) [۶۹] اسے تضرع کا پتھر مطلوب ہوتا ہے۔ ''پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے'' (سورۃ الاعراف) [۵۵] رہا تپش اور جلن تو وہ نفس کو خواہشات کی پیروی سے روکنے میں پیش آنے والی مشکلات کی بھٹی میں جلانا ہے۔ ''اور روکا ہو اس نے جی کو خواہش سے'' (سورۃ النازعات) [۴۰] انابت کی گندھک: ''اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف'' (سورۃ الزمر) [۵۴] صبر کا چراغدان ''اور صبر کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (سورۃ الانفال) [۴۶] شکر کا فتیلہ ''اور شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔'' (سورۃ النحل) [۱۱۴] اللہ کے فیصلہ پر راضی

ہو جانے کا تیل: ''اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا'' (سورۃ الطور) [۴۸] حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''الرضا بالقضاء باب الله الأعظم''

عہد عبودیت کی پاسداری، نگرانی اور محافظت کے سلسلے میں آپ کو یہی روش اختیار کرنی چاہیے اور جب آپ عبودیت میں وفاداری کا ثبوت دیں گے تو پھر اللہ تو عہد ربوبیت کے پورا کرنے کا اور بھی سزاوار ہے۔ ارشاد ہے: ''اور تم پورا کرو میرا اقرار تو میں پورا کروں تمہارا اقرار'' (سورۃ البقرۃ) [۴۰]

لہٰذا اس معرفت کو اپنے دل کے اندر اور اس یاد دہانی کو اپنی زبان پر محفوظ کر لو۔ اسے ایسا نور بنا لو جو آپ کے ساتھ قبر کی تنہائی میں رہے۔ تاریکیوں میں قندیل رہبانی ثابت رہے اور قیامت میں موجب نجات۔

تیسری چیز مٹی: اللہ نے ایمان کو مٹی سے تشبیہ دی ہے۔ ارشاد ہے: ''اور جو شہر پاکیزہ ہے اس کا سبزہ نکلتا ہے، اس کے رب کے حکم سے'' (سورۃ الاعراف) [۵۸] اس مشابہت کے اسباب درج ذیل ہیں:

۱- مٹی امانت دار ہوتی ہے۔ جو کوئی اس کے پاس کوئی چیز ودیعت کے طور پر رکھتا ہے مٹی اسے کئی گنا بڑھا کر لوٹاتی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے ''ہر بالی میں سو دانے'' (سورۃ البقرۃ) [۲۶۱] بالکل اسی طرح جب کوئی مومن عمل صالح کرتا ہے تو اس کا بدلہ اسے روز محشر کئی گنا زیادہ ملے گا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''صبر کرنے والوں ہی کو ان کا ثواب بے شمار دیا جائے گا۔'' (سورۃ الزمر) [۱۰]

۲- زمین کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس پر ہر قسم کی گندگی و غلاظت کو انڈیل دیا جاتا ہے اور عمدہ اور خوبصورت چیزوں کو اس کا سینہ چیر کر نکال لیا جاتا ہے۔ ٹھیک یہی معاملہ ایمان کی زمین کا بھی ہے۔ جس پر کفر و شرک اور گناہوں کی ساری غلاظت کو پھینکا جاتا ہے لیکن اس کے اندر سے رحمت و مغفرت اور رضائے الٰہی کی فصل لہلہا اٹھتی ہے۔ ارشاد باری ہے: ''سو ان کو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں'' (سورۃ الفرقان) [۷۰]

(۳) زمین کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ آپ کے لئے دودھ پلانے والی ماں کی طرح ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ ماں کی گود ہے۔ ارشاد ہے: ''کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا'' (سورۃ النبا) [۶] اور زمین آپ کے لئے خزانے کے مانند ہے ''وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے'' (سورۃ البقرہ) [۲۹] اور مشفق ماں کی مثل ہے: ''اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے'' (سورۃ طٰہٰ)

[۵۵] ایمان بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ اسی سے آپ کو دنیا و آخرت میں تمام فوائد نصیب ہوں گے۔

چوتھی چیز: پانی

ایمان اور قرآن کو اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے تشبیہ دی ہے، ان میں چوتھے نمبر پر پانی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: "اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالا اپنے ظرف کے مطابق اس سے لے کر چل نکلا۔ پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آ گئے اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر بھی اٹھتے ہیں جنھیں زیور اور برتن وغیرہ بنانے کے لئے لوگ پگھلاتے ہیں۔ اسی مثال سے اللہ حق اور باطل کے معاملے کو واضح کرتا ہے، جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لئے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اس طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھاتا ہے۔" (سورۃ الرعد) [۱۷]

یعنی ایمان اور کفر۔ یہاں جھاگ سے مراد کفر ہے اور پانی سے مراد ایمان ہے۔ اس تشبیہ کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

۱- پانی کپڑے سے نجاست کو دور کر دیتا ہے "اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا" (سورۃ الفرقان) [۴۸] "اور اپنے کپڑے پاک رکھو" (سورۃ المدثر) [۴] ایمان بھی بالکل اسی طرح قلب انسانی سے کفر و معصیت کی نجاست کو دور کر دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا قول ہے: "اسلام اپنے سے پہلے کی چیزوں یعنی نجاستوں کو مٹا دیتا ہے۔"

۲- اللہ نے آسمان سے نازل پانی کو رحمت کا نام دیا ہے "اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لئے ہوئے بھیجتا ہے۔" (سورۃ الاعراف) [۵۷] اللہ نے قرآن کو بھی رحمت سے موسوم کیا ہے "مومنین کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے" (سورہ یونس) [۵۷] ایمان کو رحمت اور باعث رحمت قرار دیا ہے "یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے" (سورۃ المجادلۃ) [۲۲] "تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے" (سورۃ الانعام) [۵۴] اسی وجہ سے اللہ نے بلاشبہ ایمان و قرآن کو پانی سے تشبیہ دی ہے۔

۳- اللہ نے قرآن کو "مبارک" کہا ہے "اور یہ مبارک ذکر ہم نے تمہارے لئے نازل کیا ہے" (سورۃ الانبیاء) [۵۰]

اسی طرح سے پانی کے سلسلے میں ارشاد ہے "اور آسمان سے ہم نے برکت والا پانی نازل کیا"۔ (سورہ ق) [۹]

معلوم ہوا کہ چونکہ قرآن اور پانی دونوں مبارک ہیں اسی لئے ایمان اور قرآن کو پانی سے

تشبیہ دی گئی ہے۔

۴- پانی نفوس کے لئے شفا ہے تو یہ قرآن دلوں کے لئے نسخۂ کیمیا ہے۔ "ہم اس قرآن کے سلسلۂ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے" (سورۃ الاسراء) [۸۲]

۵- جس طرح سے اللہ جب آسمان سے بارش نازل کرتا ہے تو اسے روکنے کی قدرت و طاقت کسی میں نہیں ہوتی، ٹھیک اس طرح جب اس نے آسمان سے قرآن نازل فرمایا تو اسے کوئی روک نہ سکا اور نہ ہی قرآن میں کسی طرح کی آمیزش کر سکا۔ "یہ ایک زبردست کتاب ہے، باطل نہ سامنے سے اس پر آ سکتا ہے نہ پیچھے سے" (سورہ فصلت) [۴۱-۴۲]

۶- جس طرح کوئی مخلوق بارش کے پانی کے قطروں کی تعداد کو گننے پر قادر نہیں اسی طرح سے کوئی بھی قرآن کے اسرار اور حقائق کی باریکیوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

۷- جس طرح بارش آسمان سے قطرہ قطرہ نازل ہوتی ہے پھر زمین پر نہروں کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور آخر میں بحر بیکراں بن جاتی ہے، بالکل اسی طرح قرآن بھی شروع میں آیتوں کی شکل میں نازل ہوا پھر قسط وار اور بالآخر نہروں اور سمندروں کی سی وسعت و گیرائی کا مظہر بن گیا۔ حدیث میں وارد ہے کہ: قرآن ایک ایسا بحر ناپیدا کنار ہے جس کی گہرائی و گیرائی کا ادراک محال ہے۔

۸- جیسے کہ اگر بارش آسمان سے یکبارگی نازل ہوتی تو درختوں کو اکھاڑ پھینکتی اور بستیاں ویران ہو جاتیں اور بارش سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا۔ اسی طرح اگر قرآن بھی مکمل شکل میں نازل ہوتا تو لوگ اس کو سمجھ نہ پاتے اور اوہام و لغویات کا بول بالا ہو جاتا۔ ارشاد ہے: "اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے" (سورۃ الحشر) [۲۱]

۹- جس طرح اللہ تعالیٰ بارش سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اور اس سے ہری بھری کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں، ٹھیک اسی طرح وہ قرآن سے مردہ قلوب کو زندگی بخشتا ہے۔ ارشاد ہے: "کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندگی بخشی" (سورۃ الانعام) [۱۲۲]

۱۰- جس طرح زمین پر نازل ہونے والی بارش کے ایک قطرہ سے کہیں پھول اور خوشبو کا ظہور ہوتا ہے تو دوسری بوند سے کانٹے اور زہر جنم لیتے ہیں، اسی طرح قرآن جب قلب مومن پر واقع ہوتا ہے تو عبودیت و بندگی کا پھول کھلتا ہے اور سمع و طاعت کی عطر بیزی سے پوری فضا معطر ہو اٹھتی

ہے، لیکن قرآن جب کافر کے دل پر نازل ہوتا ہے تو اس سے کفر و شرک کا زہر اور معصیت و سرکشی کا کانٹا جنم لیتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: "اس طرح اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے" (سورۃ البقرۃ) [۲۶]

۱۱۔ آسمان سے نازل پانی دوسرے تمام پانیوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اسی طرح قرآن انسان کو جملہ علوم و کتب سماویہ سے مستغنی کر دیتا ہے۔

۱۲۔ گہرے پانی میں جب کوئی ایسا شخص داخل ہو جاتا ہے جس کو اچھی طرح تیرنا نہیں آتا تو وہ ہلاکت و بربادی سے دوچار ہو جاتا ہے، اسی طرح قرآن کے بارے میں کوئی شخص جب بغیر علم کے کلام کرتا ہے تو اس کا بھی انجام ہلاکت و بربادی ہوتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

"جو کوئی قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرتا ہے اسے اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لینا چاہیے۔"

۱۳۔ جس طرح ضرورت سے زیادہ پینا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اسی طرح قرآن کے بارے میں اپنی فہم و ادراک سے زیادہ کلام بھی مہلک ثابت ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"مجھے حکم ہوا ہے کہ لوگوں کی عقل و فہم کے مطابق ان سے کلام کروں۔"

۱۴۔ جب ابر باراں کا نزول ہوتا ہے تو قحط سالی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ نباتات اگتے ہیں۔ غذاؤں کی فراوانی ہوتی ہے اور پھلوں و میوہ جات سے عالم فطرت کی گود بھر جاتی ہے۔ نزول قرآن سے پہلے سرزمین دین و مذہب بھی قحط زدہ تھی۔ نزول قرآن سے یہ قحط زائل ہوا اور روح انسانی کے لئے انواع و اقسام کے پھل، غذا اور میوے کی فصلیں لہلہا اٹھیں۔ قرآن توحید، رسالت و نبوت اور مشروعات کا بیان ہے۔

۱۵۔ جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اسی طرح ایمان اور قرآن بھی مومن سے جہنم کی آگ کو بجھا دیتے ہیں۔

پانچویں چیز: رسی

پانچویں چیز جس سے اللہ نے ایمان کو تشبیہ دی وہ رسی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: "اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑ لو" (سورۃ آل عمران) [۱۰۳] اس تشبیہ کی درج ذیل وجوہات ہیں:

۱۔ جو کوئی پستی سے بلندی پر چڑھنا چاہتا ہے اور اسے پھسلنے کا خوف لاحق ہو اگر وہ کسی رسی کو مضبوطی سے تھام لے تو وہ خوف و ڈر سے مامون ہو جاتا ہے اور بلندی تک پہنچ جائے گا۔ اسی طرح جب بندہ بشریت سے متعلق پستی سے اٹھ کر عالم جاہ و جلال اور مقام کبریائی پر فائز ہونا چاہتا ہے اور

اسے یہ ڈر ستا رہا ہو کہ اس کی عقل اسے دھوکہ دے سکتی ہے، ایسی حالت میں اگر وہ قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لے تو وہ خطرات سے محفوظ رہے گا۔

۲۔ جب کوئی نابینا شخص کسی جگہ جانا چاہتا ہے اور اس جگہ تک ایک رسی پھیلا دی جاتی ہے، اسے ایک رسی کا سہارا مل جاتا ہے تو وہ اس کو پکڑ کر بلا خوف و خطر منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ توحید و معرفت کی شاہراہ پر گامزن ہونے میں عقل انسانی بھی نابینا شخص کی طرح ہے۔ اگر اسے قرآن کی صورت میں مضبوط رسی فراہم ہے تو وہ خوف و خطر سے مامون رہتی ہے۔

۳۔ جب کوئی شخص کنویں میں گر پڑتا ہے تو اس کے نکالنے کی سبیل یہ ہے کہ اس تک کوئی رسی لٹکا دی جائے جس کو وہ پکڑ لے اور اوپر چڑھ آئے اور ہلاکت سے بچ سکے۔ انسانیت بھی ضلالت و گمرہی کے گڈھے میں گر پڑی تھی۔ اللہ نے قرآنی رسی اسے فراہم کی۔ جن پاکیزہ لوگوں نے اس رسی کو پکڑا وہ بلندی درجات سے سرفراز ہوئے اور کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ جن لوگوں نے اس رسی کو نہیں تھاما وہ ظلمت و تاریکی کی گہری کھائی میں گر پڑے اور ہلاک ہو گئے۔

چھٹی چیز: زیتون کا درخت

جن چیزوں سے اللہ نے ایمان کو تشبیہ دی ہے ان میں سے چھٹی چیز زیتون کا درخت ہے۔ ارشاد ہے: "اور وہ درخت بھی ہم نے پیدا کیا جو طور سیناء سے نکلتا ہے۔ تیل بھی لئے ہوئے اگتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن بھی" (سورۃ المومنون) [۲۰] اس تشبیہ کے سلسلے میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔

۱۔ اللہ نے ایمان کو اس درخت سے محض اس وجہ سے تشبیہ دی ہے کہ یہ درخت زیادہ تر پاک جگہوں پر ہی اگتا اور پروان چڑھتا ہے۔ اسی طرح معرفت بھی ہر جگہ نہیں ٹھہرتی بلکہ نفوس ذکیہ کے اندر ہی اپنا مستقر بناتی ہے۔

۲۔ زیتون کے درخت سے حاصل شدہ پھلوں سے ہی صاف ترین تیل نکلتا ہے۔ بالکل اسی طرح قلب مومن ہی سے ایمان و معرفت کے نور کا ظہور ممکن ہے جو سب سے زیادہ صاف و شفاف اور اشرف ہے۔

☆☆☆

آخری قسط

اسلام میں عورتوں کے دستوری حقوق

ذکی الرحمن غازی ☆☆

فصل دوم:

خواتین کی اپنے دستوری حقوق سے ناواقفیت کے اسباب

خانگی زندگی میں روزمرہ پیش آنے والے منازعات واختلافات کا سرسری جائزہ یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ خواتین اپنے شرعی دستوری حقوق سے انتہائی حد تک نابلد ہوتی ہیں۔ لاتعداد ناانصافیاں اور زیادتیاں ہیں جو بیوی، بہن، بیٹی وغیرہ کی مختلف سطحوں پر عورتوں کے ساتھ روا رکھی جاتی ہیں اور جن کو بغیر حرف شکایت برداشت کیا جاتا ہے حالانکہ اپنے شرعی ودستوری حقوق واختیارات کی بنا پر عورت اس قسم کے حالات میں ایک طاقتور فریق اور مدعی بن سکتی ہے۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ اسلامی نظام زندگی میں اس طرح کی بے اعتدالیوں اور زیادتیوں کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن یہ شریعت عادلہ کے احکام سے لاعلمی کا خمیازہ ہے جو خواتین کو بھگتنا پڑتا ہے۔ خواتین کی اپنے شرعی حقوق سے جہالت کے بہت سے اسباب ہیں، بعض کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) خلاف شرع عرف و عادات کی پیروی:

معاشرہ میں پھیلے ہوئے جاہلانہ رسوم ورواج اور غیر اسلامی تصورات کی اتباع وہ بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے خواتین اپنے جائز حقوق سے محرومی کو نہ صرف یہ کہ قبول کر لیتی ہیں بلکہ ان کے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی ان کے دوبارہ حصول کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا۔ ہندوستانی خواتین کے ذہن ودماغ کی گہرائیوں میں یہ واہمہ جاگزیں ہے کہ جن جاہلی عادات واطوار کو وہ بچپن سے جاری وساری دیکھتی آئی ہیں وہ اگرچہ خلاف شریعت ہیں لیکن اٹل اور ناقابل تبدیل ہیں اور کسی کو ان کی پیروی سے مفر نہیں۔ ہندوستانی معاشرہ میں منتشر غیر اسلامی رسوم وعادات میں سر فہرست عورتوں کو وراثت سے محروم رکھنا اور ان کو ان کا شرعی حق میراث نہ دینا ہے۔ یہ شریعت کی کھلی مخالفت اور

☆☆ اسلامی یونیورسٹی، مدینہ منورہ

نص قرآنی کی صریح حکم عدولی ہے۔

ہمارے سماج میں ایک غیر اسلامی رسم یہ عام ہے کہ والدین یا اولیاء حضرات لڑکی کی اجازت ورضامندی لیے بغیر ہی اس کی شادی جیسا اہم فیصلہ طے کر دیتے ہیں۔ اور اگر لڑکی انکار یا احتجاج کرے تو عموماً دو صورتیں ہوتی ہیں اول: یا تو زبردستی عقد نکاح منعقد کرا دیا جاتا ہے، دوم: یا بے حیا، نافرمان و کم ظرف جیسے خطابات سے نواز کر مدت دراز تک کے لیے سزا کے طور پر اس کو بے نکاحی رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب خلاف شریعت اور انسانیت سے گری ہوئی بات ہے۔ ایک مسئلہ ہمارے یہاں یہ بھی ہے کہ لڑکی کو اپنے ہونے والے شوہر کو دیکھنے نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ یہ عورت کا شرعی وفطری حق ہے کہ وہ اپنے شریک حیات کو اعزہ واقارب کی موجودگی میں بالمشافہ دیکھ کر اپنی رضامندی کا اظہار کرے۔ بعض گھرانوں میں لڑکیوں کی شادی بہت تاخیر سے کرنے کا رواج ہے۔ یہ بھی ایک غیر فطری، غیر عقلی اور غیر شرعی رواج ہے جس کا نتیجہ متعدد اخلاقی برائیوں، جسمانی امراض اور جنسی بے راہ روی کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہ تمام رسوم ورواج جاہلیت کا شاخسانہ ہیں اور خواتین کو حق حاصل ہے کہ ان کے خلاف شرعی دارالقضاء میں استغاثہ کریں۔

(۲) معاشرہ میں عورتوں کی کسمپرسی اور مردوں کا تسلط:

ہمارے معاشرے میں آج بھی ایسے دقیانوسی لوگوں کی کمی نہیں جو اپنے اہل خانہ پر شدت برتنے، ان کو زدوکوب کرنے اور انہیں ڈرانے سہمانے کو اپنی مردانگی کا ثبوت اور کامیاب خانگی زندگی کی ضمانت خیال کرتے ہیں۔ ایسے گھروں کی عورتیں ہمیشہ خوف وہراس کے عالم میں جیتے ہوئے تا عمر اپنے جسم اور روح کے زخموں کو چھپائے رہتی ہیں، کیونکہ ان کے ظالم شوہروں کی سیدھی وارننگ ہوتی ہے کہ اگر یہ اندرونی معاملہ گھر سے باہر کھولا گیا تو ان کو سسرال سے نکال دیا جائے گا اور اولاد کے دیدار تک سے محروم کر دیا جائے گا۔ ان عورتوں کو لاشعوری طور پر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی دادرسی کے لیے نہ علمائے دین سامنے آئیں گے نہ مرد پرست عورت مخالف سماج۔ حالانکہ جس طرح سماج ان ناگفتہ بہ حالات کا ذمہ دار ہے اسی طرح خواتین بھی اپنے شرعی حقوق سے غفلت وجہالت رکھنے کے سبب اس کی مورد الزام ہے۔ یہاں اس ضمن میں اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی گزارش ہے کہ اللہ کا خوف کھائیں اور اللہ کے رسول ﷺ کی اس دعا کو ہمیشہ یاد رکھیں: اے اللہ میں دو کمزوروں کی حق تلفی سے پناہ مانگتا ہوں: یتیم اور عورت۔ "اللهم انى أحرج حق الضعيفين اليتيم والمرأة"۔ (سنن نسائی مع تحسین البانی)

(۳) مسلم ذرائع ابلاغ کی بے اعتنائی:

سیکولر ذرائع ابلاغ کا تو یہاں تذکرہ لا حاصل ہے، لیکن خواتین کے حقوق کی وضاحت کے سلسلے میں دینی رسائل وجرائد اور مذہبی ٹی وی چینلوں کا رول بھی خاصا جانبدارانہ اور مختصر دکھائی پڑتا ہے۔ دراصل صورت مسئلہ میں بڑی دشواری اس بات سے بھی آئی ہے کہ آزادی نسواں کے نام نہاد علم برداروں نے اسلام کا نام لیکر حقوق نسواں کی آڑ میں افراط وتفریط پرمبنی تصورات اور اباحیت زدہ رویوں کو رواج دینے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ آزادی نسواں کے نام پر بے قید آزادروی کو امت کے اجتماعی ضمیر نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کے رد عمل میں مسلم کمیونٹی کے دیندار تحفظ طبقے میں ایک قسم کا مخالفانہ تعصب سا پیدا ہو گیا اور جس کے نتیجے میں مسلم خواتین کے شرعی حقوق واختیارات کی عملی تنفیذ کا داعی، اعتدال وتوسط کا حامل کوئی بھی رویہ مسلمانوں میں قبول عام نہ پا سکا۔ اس کاز کے سلسلے میں موجودہ مسلم ذرائع ابلاغ میں بھی یہ بے رخی بظاہر موجود ہے۔ آج کے مختلف ذرائع ابلاغ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ لوگوں کو صنف نازک کے احترام اور اس کے جائز شرعی حقوق کی ادائیگی پر ابھاریں۔ ان کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ مسلمان خواتین کو ان کے شرعی ودستوری حقوق وواجبات سے روشناس کرائیں اور حق تلفی ہونے پر دوبارہ ان کے حصول کے طریقوں کی طرف رہنمائی کا سامان فراہم کریں۔

(۴) مستقبل سے خوف اور حالات سے سمجھوتا کرنے کا رجحان:

بہت سی خواتین کو شرعی احکام سے ناواقفیت کے ساتھ ساتھ مستقبل کے اندیشے شرعی دار القضاء سے استفادے سے باز رکھتے ہیں۔ ایسی عورتیں ہر ظلم وستم کو اپنے بچوں کی خاطر سہہ لیتی ہیں یہاں بھی شرعی لاعلمی ان کی حالت زار کا سبب بنتی ہے کیونکہ اگر ان بیچاریوں کو اولاد کی کفالت کے صحیح اسلامی حکم سے واقفیت ہوتی تو شاید ان کا رد عمل کچھ اور ہوتا۔

(۵) عورتوں کا عدالت سے مراجعہ کو معیوب سمجھنا:

عام طور پر خواتین کا عدالتوں کے چکر کاٹنا شرافت سے فروتر خیال کیا جاتا ہے۔ لادینی عدالتوں کے متعلق یہ خیال مبنی بر حقیقت ہو سکتا ہے، لیکن شرعی دار القضاء کو اس دائرہ میں لانا درست نہیں۔ شرعی عدالتوں کا دائرہ کار صرف اس پر موقوف نہیں کہ مطلوبہ احکام شرعیہ کو بیان کر دیا جائے اور خانگی مسائل ومشکلات کا اسلامی نہج پر تصفیہ کر دیا جائے، بلکہ شرعی قضاۃ کی منصبی ذمہ داری یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ہر طلبگار کی اصلاح ورہنمائی کی فکر کریں اور اس کو خیر خواہانہ مشوروں سے نوازیں۔

عورت ہر طرف سے مایوس ہو کر اگر عدالت سے رجوع کرتی ہے تو یہ فی نفسہ کوئی غلط اقدام نہیں ہے یعنی اگر کوئی خاتون اپنے بداخلاق شوہر کی بدسلوکی کی شکایت لے کر دار القضاء آتی ہے تو لازمی نہیں کہ وہ اس سے اس درجہ متنفر ہو کہ علیحدگی سے کم پر راضی نہ ہو سکے، بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ اس کے حال کی اصلاح اور دینی رہنمائی کی طالب ہو۔ اسی طرح اگر لڑکی کے باپ بھائی وغیرہ اس کو ناپسندیدہ رشتے پر مجبور کرتے ہوں یا اس کی شادی میں بیجا تاخیر کر رہے ہوں تو وہ شرعی دار القضاء سے رجوع کر سکتی ہے۔ ایسی صورتوں میں قضاۃ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ متعلقہ اولیاء کو راست روی کی تلقین کرتے ہوئے احکام شرعیہ کا نفاذ کرائیں۔

لہٰذا عورت کا اپنے جائز حق کے حصول یا اپنے اولیاء کی دینی اصلاح کی خاطر شرعی عدالتوں سے مراجعہ کرنا معیوب نہیں ہے، بلکہ برائی اس بات میں ہے کہ ظالم کے ظلم کو بڑھاوا دیتے ہوئے اپنے حق سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔

فصل سوم:

عورتوں کے دستوری حقوق

اسلامی شریعت نے حقوق وواجبات میں مرد اور عورت کو مساوی درجہ دیا ہے۔ ہر ایک کے دوسرے پر کچھ حقوق ہیں جن کے لینے کا اس کو استحقاق ہے، اسی طرح ہر ایک کی دوسرے کے تئیں کچھ ذمہ داریاں اور فرائض بھی ہیں جن کی بے کم وکاست ادائیگی پر کسی مستحکم معاشرہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

مرد وعورت کے مساوی حقوق میں سے ایک یہ ہے دونوں کو عدالتی چارہ جوئی، شکایتوں کے دستوری مراجعہ اور اپنے دعووں اور مقدمات کی قانونی پیروی کا حق حاصل ہے۔ دین فطرت نے عورت کو اس بات کی تعلیم دی ہے کہ ظلم وزیادتی یا ناحق امتیازی سلوک کا شکار ہونے پر وہ کس طرح اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ ذیل میں عورت کے اہم دستوری حقوق کی نشاندہی کی گئی ہے:

(۱) حق مراجعت قضاء:

بکثرت شرعی نصوص سے ثابت ہے کہ عورت اپنی شکایت کو قاضی وقت کے سامنے پیش کر سکتی ہے۔ اور یہ چیز اس کی شخصیت میں کسی عیب یا نقص اور اس کے خاندان کے لیے کسی بے عزتی کا باعث نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس جب عورت اپنی شکایت قاضی کے سامنے پیش کرتی ہے تو اس

وقت وہ اپنے اس حق کی مطالبہ کرتی ہے جو شرع حنیف نے اس کو عطا کیا ہے اور جس کی تاکید و تائید اسلام بحیثیت نظامِ حیات کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں استحسان کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایک خاتون اپنے ملک کے لادینی نظامِ عدالت کو چھوڑ کر اسلامی نہج پر اپنی مشکلات و مسائل کو حل کرنا چاہتی ہے اور یہ چیز بذاتِ خود ایک قابلِ تعریف اقدام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت ثابتؓ بن قیس کی اہلیہ، اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئیں اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں نے ثابتؓ بن قیس میں دین واخلاق کی کوئی کمی نہیں پائی، لیکن مسلمان ہوتے ہوئے میں کفرانِ نعمت کروں ایسا میں نہیں چاہتی۔ آپ ﷺ نے کہا: کیا تم اس کا باغ واپس کر دوگی؟ اس نے کہا: ٹھیک ہے میں رضامند ہوں، تب آپ ﷺ نے (ان کے شوہر حضرت ثابتؓ سے) کہا: باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دیدو۔ "أنّ امرأة ثابت بن قيس أتت النبي ﷺ فقالت: يا رسول الله ﷺ ...! ثابت بن قيس ما اعتب عليه في خلق ولا دين، ولكني اكره الكفر في الاسلام، فقال ﷺ: أتردين عليه حديقته، قالت: نعم، قال ﷺ: أقبل الحديقة وطلقها تطليقة"۔ (البخاری)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت شرعی قاضی کے سامنے اپنے مسائل پیش کر سکتی ہے۔ حضرت ثابت کی بیوی کو اپنے متعلق ایسا اندیشہ تھا کہ وہ اپنے شوہر کے حقوقِ زوجیت کا حق ادا نہ کر سکیں گی، اور جس کی وجہ سے ان کی خانگی زندگی کامیاب نہ ہو سکے گی۔ کافی غور و خوض کے بعد انہوں نے اس قضیہ کو بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان کے اس انداز پر بلا کسی سرزنش و نکیر کے یہ فیصلہ دیا کہ وہ اپنی مہر لوٹا دیں اور بدلے میں ان کو طلاق حاصل ہو جائے گی۔ یہی واقعہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں اس طرح سے آیا ہے: ایک مرتبہ حضرت ثابتؓ بن قیس نے اپنی اہلیہ حبیبہؓ بنت سہل کو اس قدر مارا کہ کسی عضو کو توڑ دیا، وہ فجر کے بعد آپ ﷺ کے پاس آئیں اور ثابتؓ کی شکایت کی، آپ ﷺ نے ان کو بلا بھیجا اور کہا: کچھ مال لے کر ان کو چھوڑ دو۔ حضرت ثابتؓ نے کہا: کیا اس طرح کرنا درست ہے؟ آپ ﷺ نے کہا: ہاں۔ ثابتؓ نے کہا: میں نے ان کو مہر میں دو باغ دیے تھے جو ان کے پاس ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں لے لو اور اپنی بیوی کو چھوڑ دو۔ حضرت ثابتؓ نے ایسا ہی کیا۔ "ان حبيبةؓ بنت سهل كانت عند ثابتؓ بن قيس بن شماس، فضربها، فكسر بعضها، فأتت رسول الله ﷺ بعد الصبح، فاشتكت اليه، فدعا النبي ﷺ ثابتاً، فقال: خذ بعض مالها وفارقها، فقال: ويصلح ذالك يا

رسول الله ﷺ! قال: نعم، قال: فانّي اصدقتها حديقتين وهما بيدها، فقال النبي ﷺ: وخذهما وفارقها، ففعل"۔ (سنن ابی داؤد)

عورتوں کے دستوری حقوق کی تشریح میں مذکورہ بالا حدیث سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ہے: ایک نوجوان لڑکی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے والد جو کہ بہت اچھے باپ ہیں، لیکن انہوں نے اپنے ایک گمنام بھتیجے کو معزز بنانے کے لیے میری شادی اس کے ساتھ کر دی (اور میری رضامندی کا خیال نہ کیا)۔ آپ ﷺ نے (نکاح کے فسخ و بقا کا) کلی اختیار اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ تو اس نے کہا: میں اپنے والد کے فعل کو باقی رکھتی ہوں، دراصل اس استفسار سے میرا مقصود یہ تھا کہ خواتین جان جائیں کہ والدین کو ایسے معاملے میں کوئی (اجباری) حق حاصل نہیں ہے۔ "جاءت فتاة الى النبي ﷺ فقالت: يا رسول الله ﷺ! انّ ابي – ونعم الأب هو – زوّجني ابن اخيه ليرفع بي خسيسته، قال: فجعل الأمر اليها، فقالت: انّي قد أجزت ما صنع ابي، ولكني أردت ان تعلم النّساء أنْ ليس الى الآباء من الامر شيءٌ"۔ (مسند احمد، سنن نسائی، سنن دار قطنی) اس دانشمند خاتون نے اپنے اعتراض کے ذریعے رہتی دنیا تک کے لیے اس شرعی قاعدہ کی عملی وضاحت کر دی کہ شادی جیسا اہم معاملہ عورت کی رضامندی کے بغیر دینی اعتبار نہیں پا سکتا اور نہ ہی والدین کو یہ حق پہونچتا کہ وہ اپنی بچیوں کو زبردستی نکاح پر مجبور کریں۔

خواتین کے دستوری حقوق کا اثبات اللہ کے رسول ﷺ کے اس قول سے بھی ہوتا ہے: آلِ محمد ﷺ کے گھر بہت ساری ایسی عورتیں آئیں جن کو اپنے شوہروں سے شکایت ہے۔ تمہارے بہترین لوگ ایسے شوہر نہیں ہو سکتے۔ "لقد طاف بآل محمد نساء كثير يشكون أزواجهن، ليس اولئك بخياركم"۔ (سنن ابو داؤد وصحیح الالبانیؒ) دوسری روایت میں ہے کہ تم ایسے شوہروں کو اپنے اچھے لوگوں میں نہ پاؤگے۔ "فلا تجدون اولئك خياركم" (سنن ابن ماجہؒ) حضرت ہندؓ بنت عتبہ کی حدیث بھی اسی امر سے متعلق ہے۔ فتح مکہ کے بعد اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کرتے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا: میرے شوہر ابو سفیانؓ کم خرچ کرنے والے آدمی ہیں، کیا میں چھپ کر ان کے مال میں سے کچھ لے سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بھلائی کے ساتھ جتنا تمہیں اور تمہاری اولاد کو کفایت کرے اتنا لے لیا کرو۔ "قالت: ان ابا سفيان رجلٌ شحيحٌ، فهل عليّ حرج أن آخذ من ماله سراً؟ قال: خذي أنت وبنوك ما

یکفیہ بالمعروف"۔ (صحیح بخاری)

ارشاد باری ہے: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾ (النساء:۳۵) "اور اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے" یعنی جب زوجین آپسی نزاع میں ایک دوسرے کی طرف زیادتی کی نسبت کر رہے ہوں اور مصالحت کی کوئی سبیل نظر نہ آتی ہو تو قاضی یا حاکم دونوں کے خاندانوں سے دو صالح و عادل ثالث متعین کر دے گا۔ یہ آیت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ عورت دار القضاء سے مراجعہ کرنے میں خود مختار اور اپنے دعوے کا مرافعہ کرنے اور قانونی چارہ جوئی کرنے میں آزاد ہے۔

(۲) حقِ وکالت:

عورت کو اسلام میں یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی نزاع میں مردوں کی طرح اپنی وکالت کر سکتی ہے۔ وہ قاضی کے سامنے اپنے مقدمہ کا مرافعہ اور جواب دعویٰ پیش کر سکتی ہے اور شریعت کی نگاہ میں یہ غیر فطری عمل نہیں ہے۔ یہاں وکالت سے مراد پیشۂ وکالت نہیں، کیونکہ ہمارے ملک کے سیکولر ماحول میں شرعی حدود و قیود کی رعایت کرتے ہوئے اس پیشہ کا اختیار کرنا کسی مسلمان خاتون کے لیے ناممکن ہے۔ اسلامی حق وکالت سے مراد یہ ہے کہ مسلمان عورت لباس، حجاب اور گفتگو کے شرعی آداب کی پابندی کرتے ہوئے اپنی یا اپنے کسی قرابت دار کی نمائندگی کر سکتی ہے اور نیابتاً کسی مقدمہ کا عادلانہ مرافعہ انجام دے سکتی ہے۔ یہ اسلام میں عورت کے شرعی حقوق کی ضمانت کی دلیل اور ایک قابل فخر چیز ہے۔ علامہ ابن حسینؒ لکھتے ہیں: "وکالت میں مرد ہونا شرط نہیں، بلکہ ہر وہ ذات جس کے تصرفات کو شریعت نے معتبر قرار دیا ہے خواہ وہ مرد ہو کہ عورت، وہ تمام نیابتی امور میں غیر کی وکالت کا اہل مانی جائے گی، البتہ عورت پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی یا کسی اور کی وکالت کرنے میں لباس، گفتگو کے اسلامی آداب کا التزام رکھے۔ ورنہ بصورت دیگر اسے وکالت کی اجازت نہ ہوگی"۔ (الانکار علی الخصومۃ، ص ۶۸)

(۳) حقِ شہادت (گواہی):

اسلام میں عورت کے دستوری حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بوقت ضرورت گواہی

دے سکتی ہے، اور یہ فی نفسہ معیوب نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ﴾ (البقرہ:۲۸۲) "پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرا لو، اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں" علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: "اس بات پر اجماع امت ہے کہ مالی معاملات اور اس کی جملہ فروعات مثلاً بیع و شراء، رہن، وقف، وصیت وغیرہ میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ (اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۹۲)

عورت کی گواہی مرد کے مقابلے آدھی کیوں ہے؟ اس کی حکمت پر اسی آیت میں آگے چل کر روشنی ڈالی گئی ہے: ﴿أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ﴾ (البقرہ ۲۸۲) "تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے" یعنی بسا اوقات ایک عورت کو مسئلے کی باریکیاں مستحضر نہیں رہ پاتی ہیں تو دوسری عورت اس کو یاد دلا سکتی ہے۔ امریکہ کی مشہور و معروف یونیورسٹی بیل (Bell) میں ایک ماہر نفسیات کے ریسرچ نے عجیب و غریب انکشاف کیا ہے۔ اس کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی مخصوص موضوع پر لکھتے ہوئے یا کسی معینہ پریشانی کو حل کرتے ہوئے عام طور پر مرد حضرات اپنے دماغ کا بایاں حصہ ہی استعمال کرتے ہیں جبکہ ایسی صورتحال میں عورتیں اپنے دماغ کی دونوں اطراف کا استعمال کرتی ہیں۔ اور بقول اس ماہر نفسیات کے یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ مرد کا آدھا ذہن عورت کے پورے ذہن کے مقابلے زیادہ فعال اور صلاحیت مند واقع ہوا ہے۔ (رسائل فی ابواب متفرقہ، ص ۱۳۲)۔

عورتوں کے مخصوص مسائل مثلاً حیض، نفاس، زوال و عدم زوال بکارت، رضاعت وغیرہ میں ان کی گواہی کو ترجیح حاصل ہوگی۔ جیسا کہ حضرت عقبہؓ بن الحارث کی حدیث سے واضح ہوتا ہے: حضرت عقبہؓ نے ام یحییٰ بنت ابی اہاب سے نکاح کیا تو ایک کالی باندی آکر کہنے لگی: میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ (یعنی تم دونوں رضاعی بھائی بہن ہو اور تمہارا نکاح کرنا جائز نہیں) حضرت عقبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا تذکرہ آپ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے اعراض فرمایا، میں نے پھر ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اب کیسے ممکن ہے جبکہ اس کا دعویٰ ہے کہ تم دونوں رضاعی بھائی بہن ہو؟ تم اپنی اہلیہ سے دست بردار ہو جاؤ۔ "أنه تزوج ام يحيىٰ بنت اهاب، فجاءت امة سوداء فقالت: ارضعتكما، قال: فذكرت ذالك للرسول ﷺ فاعرض عني، قال: فتنحيت فذكرت ذالك للرسول ﷺ، فقال: كيف وقد زعمت انها قد

او ضعتکما، دعها عنک"۔ (صحیح بخاریؒ، سنن ترمذیؒ وابوداؤدؒ ونسائیؒ)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ ﴾ (البقرہ ۲۲۸) "اور ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ خلق فرمایا ہو اسے چھپائیں"۔ مشہور مفسر علامہ عبدالرحمن سعدی لکھتے ہیں: آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مخصوص مسائل جن پر دوسرے لوگ عام طور سے مطلع نہیں ہو سکتے، جیسے حیض وحمل کے مسائل، تو ان کے بارے میں عورت کا قول ہی معتبر قرار پائے گا۔ (تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان، ص۱۰۱)۔

(۴) حق ولایت:

ولایت سے مراد باپ کی وفات کے بعد چھوٹے بچوں کی جائیداد کا ولی (منتظم) بننا۔ لیکن یہ حق مشروط اس بات سے ہے کہ باپ نے اپنے پیچھے کسی دوسرے کو ولی نامزد نہ کیا ہو۔ یتیموں کی ولایت میں دو صورتیں ممکن ہیں:

(الف) پہلی صورت یہ ہے کہ ماں کے علاوہ کوئی دوسرا مثلاً دادا، چاچا، بھائی وغیرہ یتیم بچوں کی ولایت کا مطالبہ کرے۔ ایسی حالت میں شرعی عدالت درخواست دہندہ کی دینداری و شرافت کے متعلق تحقیق کرے گی اور اطمینان ہونے پر یتیم بچوں کی ماں کو دعوت دے گی تاکہ وہ عدالت میں حاضر ہو کر درخواست دہندہ کے بارے میں اپنی موافقت یا عدم موافقت کا اظہار کر سکے۔ واضح رہے کہ ماں کی رضامندی اس پورے معاملے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے جس کے بغیر کوئی ولایت انجام کو حاصل نہیں کر سکتا۔ حق امومت کی اس سے بڑھ کر عزت واحترام ناممکن ہے۔ اس میں بیوہ ماں کی دینداری کے پہلو بہ پہلو اس بات کی رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں کے روشن معاشی مستقبل کی ضمانت کے لیے خوب سے خوب تر انسان کا انتخاب کر سکے۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ خود ماں ہی محکمۂ عدالت سے اپنے چھوٹے بچوں کی ولایت کا مطالبہ کرے۔ اس کو اس مطالبہ کا شرعی حق حاصل ہے۔ اب اگر عدالت اس میں تمام شروط موجود پاتی ہے اور کوئی شرعی مانع نہیں ہو تو اس کو چھوٹے بچوں کا ولی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک تو یہی افضل ہے کہ ماں کو چھوٹے بچوں کے اموال پر شرعی ولی بنا دیا جائے کیونکہ ایسا کرنا زیادہ قرینِ مصلحت اور زیادہ سودمند ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ماں کی اپنے بچوں کے تئیں شفقت اور خیر خواہی کا عشر عشیر بھی کسی اور شخص کے لیے متصور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان حضرات کا کہنا یہ بھی ہے کہ چونکہ کوئی ایک عورت تمام مالی امور ومعاملات کو بسا اوقات انجام نہیں دے پاتی اس لیے اس کو یہ

حق بھی حاصل ہوتا ہے کہ بعض کاموں کی انجام دہی کے لیے وہ کسی کو اپنا تنخواہ دار نائب بنا سکتی ہے۔

عورت کی ولایت کا مسئلہ اس بات کی دلیل ہے کہ شرع حنیف نے عورت کو جو دستوری حقوق دیے ہیں ان میں رب کریم نے اس کی فطرت وطبیعت کے تقاضوں کی بے پناہ رعایت کی ہے اور جو حقیقتِ واقعہ کے عین مطابق ہے۔

(۵) حق زوجیت:

بعض اولیاء اور والدین بیٹیوں اور بہنوں کو شادی سے روکے رکھتے ہیں، یا غیر کفو میں رشتہ کر دیتے ہیں اور ان کی پسند و ناپسند کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔ اس میں ان کا مقصد مکمل جائیداد پر قبضہ اور اپنی خدمت وخاطر داری کے لیے بے دام نوکروں کی سہولت باقی رکھنا ہوتا ہے۔ یہ ظلم و تعسف کی انتہا ہے۔ ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے کہ اس کا ایک گھر ہو، بچے ہوں، لیکن یہ انسانیت سے عاری اولیاء حضرات ان معصوم فطری خوابوں کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیتے۔ اس بے قید حرص وہوس کا شکار ہمارے معاشرہ کی وہ بے شمار لڑکیاں ہیں جو شادی کی راہ تکتی بوڑھی ہو رہی ہیں۔ جن خواتین کا سابقہ اس قسم کے اولیاء سے ہو ان کو شریعت یہ حق دیتی ہے کہ وہ اپنی شکایت دار القضاء تک پہونچائیں تاکہ عدالت ان کے ولی کو جلد از جلد شادی کر دینے پر آمادہ کرے۔ اور اگر وہ انکار کرتا ہے تو شرعی عدالت کی جانب سے ان کے عقدِ نکاح کا انتظام کیا جائے گا۔

حق زوجیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی کمزور بندیوں کی حفاظت، انصاف وحق اور فطری خواہشات کی تکمیل کا جو نظم فرمایا ہے وہ اس نظامِ زندگی کے منزل من اللہ ہونے کی علامت ہے۔

(۶) حق کفالت:

خواتین کو درپیش عائلی مسائل ومشکلات میں سب سے اہم مسئلہ بچوں کی کفالت کا ہوتا ہے۔ بلکہ بیشتر حالات میں بچوں کی جدائی کا ڈر اور ان کے مستقبل کا سوال ہی عورتوں کو ظلم وستم کی چکی میں چپ چاپ پستے رہنے پر مجبور رکھتا ہے۔ خوفِ خدا سے خالی، حقوقِ زوجیت تو کجا حقوقِ انسانیت تک سے جاہل شوہر کی زیادتیوں پر صبر وخاموشی کو عموماً اس لیے ترجیح دی جاتی ہے کہ کہیں اپنے جگر کے ٹکڑوں سے دوری ومجبوری کا صدمہ نہ اٹھانا پڑ جائے۔ حالانکہ شریعت کی رو سے بے دین باپ کے مقابلے دیندار ماں اپنے بچوں کی کفالت کی زیادہ حقدار ہے۔ عورت اگر کفالت کی شرعی شرائط پر پوری اترتی ہے اور کوئی مانع بھی نہ پایا جاتا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے بچوں کی کفیل نہ بن سکے اور اس صورت میں باپ کے ذمہ واجب ہوگا کہ بچوں کے اخراجات اس کو ادا کرے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: نابالغ بچے کی کفالت کے لیے ماں، باپ کی نسبت بہتر ہے۔ کیونکہ ماں اپنے بچے کے کھانے پینے اور سونے اٹھنے کے اوقات سے زیادہ واقف ہوتی ہے، اور مشاہدہ کہتا ہے کہ اس مقام پر اس سے زیادہ باخبر، باصلاحیت اور صابر وشاکر کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت چھوٹے بچے کے سلسلے میں شریعت نے کوئی دوسرا اختیار نہیں چھوڑا ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہؒ، ج ۳۴/ص ۱۲۲)۔

علامہ ابن قدامہؒ رقمطراز ہیں: اگر زوجین علیحدہ ہوجائیں اور ان کی اولاد نابالغ یا پاگل ہو تو کفالت کے لیے ماں کو ترجیح حاصل ہوگی بشرطیکہ وہ شرعی ضوابط پر پورا اترتی ہو۔ یہاں اولاد میں لڑکے لڑکیوں کی تفریق نہیں۔ یہی قول امام مالکؒ اور اصحاب الرائی کا ہے، اور ہمارے علم میں کوئی اس کا مخالف نہیں۔ (المغنی، ج ۸/ص ۱۹)

کفالت ہی سے متعلق یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ والدین میں سے کوئی ایک، دوسرے کو زیر کفالت بچے کی زیارت وملاقات سے نہیں روک سکتا۔ اگر ماں بچے کی کفیل ہو اور اسے بچے کے باپ سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ بچے کی زیارت کے بہانے اسے پریشان کرے گا تو وہ قاضی سے اس بات کا مطالبہ کرسکتی ہے کہ وہ بچہ کی زیارت وملاقات کا وقت اور جگہ متعین کردے۔ قاضی معاملے کی تحقیق وتفتیش کے بعد مطابق مصلحت فیصلہ صادر کرسکتا ہے۔

(۷) حق مطالبہ:

اکثر وبیشتر عورتیں جن خانگی مسائل کا شکار ہو کر مدعی یا مدعی علیہ کی حیثیت سے شرعی محکموں کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں اور جن میں انھیں مکمل طور پر اپنے دفاع ومطالبہ کا شرعی حق حاصل ہے ان میں سے چند اہم مسائل کی فہرست ذیل میں ذکر کی جاتی ہے:

(الف) شوہر سے حسن معاشرت کا مطالبہ۔

(ب) اخراجات (خرچہ) کا مطالبہ۔

(ج) مسکن (رہائش) کا مطالبہ۔

(د) مہر کا مطالبہ۔

(ہ) طلاق دینے کا مطالبہ۔

(و) فسخ نکاح کا مطالبہ۔

(ز) خلع کا مطالبہ۔

(ح) عقد نکاح میں مذکورہ شرائط کی انجام دہی کا مطالبہ۔

(ط) بیویوں میں عدل کا مطالبہ۔

(ک) اثبات ونفی نسب کا مطالبہ۔

(ل) بچوں کی زیارت وملاقات کا مطالبہ۔

(م) کفالت وپرورش کا مطالبہ۔

(ن) نشوز (نافرمانی) کے مسائل۔

(س) خانگی تشدد کا دعویٰ۔

یہ چند وہ اہم مسائل ہیں جن کے دستوری مرافعہ کا حق اسلام نے خواتین کو دیا ہے۔ اور جن کا وجود اس بات کا روشن مظہر ہے کہ دین حکمت میں عورت کی حفاظت وحق شناسی کا کس درجہ خیال کیا گیا ہے۔

خاتمہ

گزشتہ مباحث کے ضمن میں متعدد اہم نتائج اور مفید تجاویز کا تذکرہ آیا ہے۔ ذیل میں ان میں سے بعض کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) دین فطرت اسلام نے عورت کو عزت وتوقیر عطا کی ہے، اس کے فطری حقوق کا اعتراف کیا ہے، بلکہ بعض معاملات میں اس کو جنس مخالف پر فوقیت دی ہے۔

(۲) عورت کو شرعی عدالتوں سے استفادہ کا حق ہے اور وہ مدعی ومدعی علیہ ہوسکتی ہے۔

(۳) عورت اپنی جہالت وناواقفیت کی وجہ سے خود ہی شریعت کے تفویض کردہ حقوق و رعایتوں سے اپنی محرومی کا سبب بنتی ہے۔

(۴) عورت کا مرد سے علیحدہ مستقل مالی تشخص ہوتا ہے، اس کو اپنی ملکیت میں تصرف کی پوری آزادی ہے اور بجز خلاف شرع تصرفات کی منا ہی کے کوئی اس پر نکیر کا حق نہیں رکھتا۔

(۵) مختلف ذرائع ابلاغ کی قومی وملی ذمہ داری ہے کہ خواتین کو ان کے شرعی حقوق و واجبات سے روشناس کرائیں۔

یہ اس مضمون میں ذکر کردہ کچھ اہم تجاویز ونتائج تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کوشش کو نفع بخش اور اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنائے۔ وصلی اللہ علی نبیہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔ ☆☆☆

عصری جامعات میں اسلامی قانون کی تدریس: فکرِ اسلامی کے تقاضے

از ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی☆

۷۔ ایل ایل ایم کی سطح پر تاریخی مقدمات کی وضاحت کلاسز میں نہیں ہوتی ہے جبکہ نکاح، طلاق، نان نفقہ، عدالتی کارروائیوں اور مذکورہ بلوں، مسودات، قوانین کا تفصیلی جائزہ و مطالعہ کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر ۱۹۷۳ء اور ۱۹۸۶ء (جبکہ شاہ بانو کیس نے ایک تاریخی حیثیت حاصل کر لی تھی) میں عائلی مسائل کے تعلق سے جو چیزیں قانون کا حصہ بن چکی ہیں ان پر بحث و مباحثہ، نقد و تبصرہ ہوتا ہے اور ہندوستان کے قوانین برائے شہادت اور اسلامی قانون شہادت کا تفصیلی ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نفقہ کے سلسلہ میں ہندوستانی قانون کی وضاحت ہوتی ہے۔ یہاں اس امر کی نشاندہی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ حکومت ہند کی نیت مسلم پرسنل لاء کے متعلق واضح نہیں ہے اس لئے قوانین/بلوں میں وہ سقم چھوڑ دیا گیا جس کے ذریعہ اسلامی شریعت پر شب خون مارنے کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ایل ایل ایم کی سطح پر اسلام اور مغرب کے مابین اقتدار اعلیٰ کے تصور کی تفہیم، عالمی تناظر میں اسلامی عدالتی نظام کو درپیش چیلنجز کا جائزہ و مباحثہ اساتذہ کی نگرانی میں ہوتا ہے اس پس منظر میں انسانی حقوق کی حیثیت اور ضرورت پر اظہار خیال ہوتا ہے۔

۸۔ مددگار کتب کی فہرست ہر مضمون کے آخر میں پیش کی گئی ہے اور درجات میں اساتذہ سے لکچر کی سماعت کے بعد ان کتب کو ذاتی مطالعہ میں لا کر اپنے افکار کو مزید جلا بخشنے کی تلقین کی جاتی ہے، (چنانچہ ہر مضمون کے آخر میں ضروری تکرار بھی پائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض مصنفین کی کتابیں کسی نہ کسی گوشے سے ہر مضمون کے آخر میں منسلک کے طور پر نظر آتی ہیں)۔ ان فہارس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بالعموم مسلم ماہرین قانون کی تصنیفات کو جگہ دی گئی ہے جن میں کئی حضرات کا تعلق ایسٹ انڈیا یا اس کے بعد حکومت کے عدالتی نظام سے وکیل، جج یا ماہر قانون کی حیثیت سے رہا ہے۔ اس ضمن میں سید امیر علی، سر عبد الرحیم، اے اے فیضی، جسٹس محمد طاہر، ڈاکٹر تنزیل الرحمن اور جسٹس عبد القدیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن کی علمی خدمات نے قانون اسلامی کے فکری اور عملی رویوں کو

☆ labeebzia@yahoo.co.in

صفحۂ قرطاس پر ثبت کر کے اسلامی قانون کے طلبہ اور اساتذہ اور دانشوروں کے لئے عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ دوسری طرف لاء کالج نے کتب کے انتخاب میں بالغ نظر محققین، مفکرین اور علماء کی کتب اور مقالات کو سفارشی کتب میں جگہ دی ہے۔ چنانچہ علامہ محمد اقبال، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور محمد تقی امینی کی اعلیٰ تحقیقات سے فائدہ اٹھانا اس کی روشن دلیل ہے۔

۹۔ بعض معروف غیر مسلم، دانش وروں کی معرکہ آرا کتب کو بھی فہرست نصاب برائے سفارشی کتب کی حیثیت سے جگہ دی گئی ہے جنکا تعلق یا تو قانون کی تدریس و تصنیف سے تھا یا انہوں نے ایسٹ انڈیا/یا آزادی کے بعد حکومت ہند کے انظام عدل کے تحت خدمات انجام دی ہیں اور جن کا علمی و عملی مقام و مرتبہ قانون کی تفہیم میں مددگار ہو سکتا ہے۔ یہیں پر یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ ان غیر مسلم ماہرین قانون نے یہ خدمت اسلام سے محبت کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض ایک علمی ضرورت کی تکمیل کی خاطر سر انجام دی ہے جو بہر حال قابل تحسین ہے۔ البتہ ان غیر مسلم مصنفین کی بعض تحریریں عصبیت سے پاک نہیں ہیں جن میں ایس کے سکسینا، ڈی ایف ملا، گلاونس، جے این ڈی اینڈرسن، این۔ جے۔ کولسن، آر کے ولسن، وغیرہ کو خاص طور پر نشانہ بنا کر ان کی تصنیفات سے غلط فہمیوں یا علمی کمزوریوں کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام شعبہ کے اساتذہ اور بیدار مغز اسکالرز کر سکتے ہیں جو اسلام کی بڑی خدمت ہوگی۔ تیسری اہم بات یہ کہ اساتذہ کرام بھی سفارشی کتب ہی کو بالعموم اپنا مخرج و مستدل بناتے ہیں تاکہ افکار کی ترسیل میں توافق و ہم آہنگی کی فضا قائم ہو سکے نیز اساتذہ کرام دیگر مراجع کا بھی آزادی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

المعھد العالی، پھلواری شریف پٹنہ

اسلامی قانون کی تدریس اور نظام و نصاب کے سلسلے میں المعھد العالی للتدریب فی القضاء و الافتاء، پھلواری شریف پٹنہ کا خصوصی مطالعہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی سطح پر اسلامی قانون کی تدریس، تفہیم اور تنفیذ کے جو مراکز موجود ہیں ان میں اس ادارے کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

امارت شرعیہ، بہار و اڑیسہ اور جھارکھنڈ اپنے روز قیام ہی سے نظام قضا کے احیاء اور قاضی و امیر سے امت کو جوڑنے میں لگی ہوئی ہے۔ اس کے بانی ابوالمحاسن محمد سجادؒ (م ۱۹۴۰ء) کی فکری بصیرت کے امین مولانا منت اللہ رحمانیؒ (م ۱۹۹۰ء) نے امت کی شیرازہ بندی اور نوجوانوں کو قانون اسلامی کی اعلیٰ تربیت کے سلسلے میں وقیع خدمات انجام دیں۔ انھوں نے اپنی راست نگرانی میں

تربیت قضا اور فتویٰ نویسی کے امور کو کیمپوں کے انعقاد کے ذریعہ مستحکم کیا۔ یہ سلسلہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ (م ۲۰۰۲ء) کے زمانہ امارت ونظامت میں غیر رسمی طور پر ملک کے مختلف صوبوں میں کیمپوں کے انعقاد کے ذریعہ انجام پذیر ہوا۔ امارت شرعیہ نے قضاء وافتاء کی عملی تربیت اور ملک گیر سطح پر دارالقضاء کے قیام کا آغاز ۱۹۲۱ء سے شروع کر دیا تھا جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

المعهد العالی کا مقصد

۱۔ فقہ اسلامی کے قواعد وضوابط، احکام شرعیہ کی تطبیق اور قوانین اسلامی وجدید نظام ہائے قانون کا تقابلی مطالعہ اس ادارے کا بنیادی ہدف ہے۔

۲۔ شریعت اسلامی کی حفاظت وترویج کے لئے ایسے رجال کار کی تیاری مقصود ہے جو علم وعمل اور فکر ونظر میں اسلاف کے صحیح جانشین اور وارث ہوں۔

۳۔ مدارس اسلامیہ کے فضلاء کو افتاء وقضا کی ایسی نظری وعملی تدریب کہ ان میں جدید مسائل کے حل کی صلاحیت پیدا ہو اور وہ جدید سائنس وٹکنالوجی کی موجودہ ترقی اور معاشرتی تبدیلیوں پر نظر رکھتے ہوئے شریعت اسلامی کی تطبیق کے اہل ہو سکیں۔

۴۔ مختلف فقہی وعلمی موضوعات پر تحقیقات کرانا

نصاب تعلیم کا تعارف

المعہد کی ضرورت کا احساس، مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی اس تحریر سے ہوتا ہے جو انھوں نے اس کے تعارف نامے میں لکھا تھا:

> امارت شرعیہ کا نظام قضاء انتہائی مربوط ومنظم اور وسیع بنیادوں پر قائم ہے جہاں روزانہ نئے مقدمات کی سماعت اور فیصلے ہوتے ہیں اور اس کے پاس شرعی فیصلوں کا ۸۰ سالہ عظیم الشان فقہی ذخیرہ بھی محفوظ ہے (اب ۹۰ سالہ ذخیرہ)، جس سے یہ فضلاء فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح یہ کہنا حق بجانب ہے کہ فقہ اسلامی میں تخصص اور قضاء وافتاء پر عبور حاصل کرنے کے لئے امارت شرعیہ صحیح ترین جگہ ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہاں سے تربیت پا کر نکلنے والے علماء سے پورے ملک میں قانون شریعت کے تحفظ اور عائلی نزاعات کے حل کے لئے قائم ہونے والے "دارالقضاء" کی ایک اہم ضرورت پوری ہوگی اور امور قضا کو انجام دینے کے لائق ہوں گے۔ ساتھ ہی ملک کے مختلف دارالافتاء میں فتویٰ کی ذمہ داریاں بھی نبھائیں

گے۔ وہ قانون اسلامی کو ایک زندہ قانون کی حیثیت میں آج کے حالات میں پیش کرنے کے لائق ہوں گے، ان کی نظر مدارج احکام پر ہوگی اور وہ جدید سائنس وٹیکنالوجی کی موجودہ ترقی اور معاشرتی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھتے ہوئے شریعت کی تطبیق کے اہل ہو سکیں گے (۲)۔

داخلہ کی شرائط

ایسے فضلاء جو کسی معروف دینی درسگاہ کے فاضل اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہوں، انھیں فقہ وحدیث سے خاص مناسبت ہو، کا داخلہ ہر سال شوال کے مہینہ میں ہوتا ہے۔ خصوصی امتحان پاس کرنے کے بعد وہ دو سالوں (فتویٰ وقضاء) کے لئے یکسو ہو جاتے ہیں۔ ہر سال ۲۵ طلبہ کا داخلہ ہوتا ہے، اس طرح بیک وقت پچاس طلبہ کے قیام وطعام کے علاوہ ماہانہ وظیفہ کا بھی اہتمام رکھا جاتا ہے۔

ششماہی اور سالانہ امتحان ہر سال ہوتے ہیں۔ یہاں کے فارغین / کامیاب فضلاء کو "متخصص فی القضاء والافتاء" کی سند دی جاتی ہے۔

معہد العالی کے نصاب تعلیم کی روح کو ان دس نکات کے ذریعہ بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

۱۔ اصول فقہ:- مسائل واحکام کے استنباط میں صحیح سمت اختیار کرنے میں اس سے رہنمائی ملتی ہے۔

۲۔ قواعد فقہ:- ہندوستان کے مدرسی نصاب میں اس فن کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کا وہ مستحق ہے۔ یہ شریعت کی کلیات اور دین کے مزاج ومذاق کی مظہر ہیں اور یہ قواعد دائمی ہیں۔

۳۔ مقاصد واسرار شریعت کی تفہیم کے ذریعہ تنگی اور افراط وتفریط سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے

۴۔ مختلف مذاہب فقہیہ کا مطالعہ، تاکہ ذہن وفکر اور قلب ونظر میں وسعت پیدا ہو سکے۔ فقہاء کے اختلافات ان کے بنیادی مآخذ سے معلوم ہو سکیں تاکہ اجتہاد وتقلید کے رویے میں تطبیق اور گنجائش کا اندازہ لگایا جا سکے۔

۵۔ آیات احکام اور احادیث احکام پر کتب کا مطالعہ:- تاکہ مصادر اصلی سے رجوع کو یقینی بنایا جائے۔

۶۔ احوال شخصیہ:- مسلم مملکت ہو یا مسلمان اقلیت میں ہوں، بہر صورت وہ سماجی زندگی میں احکام شریعت کے مکلف ہیں۔ دنیا کے ہر قانون نے اس پہلو پر توجہ دی ہے اور مغرب نے اسی پہلو کو ہدف تنقید بنایا ہے۔

۷۔ عصر حاضر کی ان نگارشات کا مطالعہ جو جدید پیدا شدہ مسائل کے حل کے لئے لکھی گئی ہیں

ایسی تحریروں کو نوازل کہا جاتا ہے۔

۸۔ برصغیر میں احناف کی اکثریت کی وجہ سے فقہ حنفی کا عمیق مطالعہ، تاکہ احوال شخصیہ میں اس فقہ کے مطابق فتوی اور قضا کی صلاحیت پروان چڑھ سکے۔

۹۔ ادب القاضی ایک وسیع الاطراف موضوع ہے۔ قانون شہادت، احکام القضاء کا ایک نہایت اہم حصہ ہے جس پر واقعات کے ثبوت کا دارومدار ہے اور دور جدید میں مروج "قانون شہادت" اسلام سے بہت کچھ مختلف ہے۔

۱۰۔ قضاء وافتاء کے امور محض علمی نہیں بلکہ عملی مشق ومہارست کے متقاضی ہیں۔ امارت شرعیہ کا دار القضاء پورے ملک میں نظام قضاء کا بڑا مرکز ہے۔ جہاں ہر سال مختلف نوعیت کے سیکڑوں مقدمات آتے رہتے ہیں۔ روزانہ سماعت ہوتی ہے اور فیصلے ہوتے ہیں، نیز امارت کا دار الافتاء ملک کے ان دو تین دار الافتاء میں ہے جہاں سب سے زیادہ ملک کے مختلف علاقوں سے اور مختلف نوع کے سوالات آتے ہیں۔ اس سے استفادہ کرنے اور عملی مشق کے لئے طلبہ کے اوقات مختص کئے گئے ہیں (۳)۔

سال اول: مدت تعلیم: ۳ سال

نصابی کتابیں

۱۔ گھنٹیاں: ۸ (۴۵ منٹ فی گھنٹی) روزانہ

۱۔ اصول فقہ: اصول البزدوی روزانہ

تاریخ فقہ: تاریخ التشریع الاسلامی از خضری بک

المدخل الفقہی العام للزرقاء (تاریخ فقہ کا حصہ)

۲۔ قواعد الفقہ: الاشباہ والنظائر لابن نجیم۔ پہلی ششماہی

تاسیس النظر ابو زید الدبوسی

۳۔ فقہ حنفی: الدر المختار: (منتخب ابواب) (بیع فاسد، شرکت، مضاربت، ربا، نکاح و طلاق، حظر واباحت، وقف وصیت

۴۔ اصول افتاء: الادب المفتی والمستفتی: ابن صلاح

شرح عقود رسم المفتی (ابن عابدین) مہینہ میں چار دن

۵۔ فرائض سراجی ہفتہ میں چار دن

۶۔ ادب القضاء لسان الاحکام/معین الحکام علاء الدین الطرابلسی الحنفی اور اسلامی عدالت کا مطالعہ

قضاء: (ابتدائی کارروائی، سماعت مقدمہ، فیصل شدہ مسلوں کا مطالعہ وغیرہ

۱۵۰ سوالات کے جواب۔

۷۔ مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ: مختصر الطحاوی (حنفی)

(۱) الثمر الدانی (مالکی) روزانہ اجتماعی مطالعہ (خارج)

(۲) متن ابی الشجاع (شافعی) (۳) بدایۃ المجتہد

(۴) الروض المربع (حنبلی)

۸۔ فقہ القرآن: (۵۰) آیات احکام روزانہ درس۔ (۱) احکام القرآن للعثمانی (بقرۃ-نساء)

(۲) احکام القرآن للجصاص (مائدہ-نور) اجتماعی مطالعہ

(۳) احکام القرآن لابن عربی (احزاب-تحریم)

۹۔ فقہ الحدیث نصب الرایہ منتخب ابواب اجتماعی مطالعہ

التلخیص الحبیر (منتخب ابواب) روزانہ اجتماعی مطالعہ)

انگریزی ادب ہفتہ میں تین دن

عربی ادب قصص النبیین

محاضرات فقہ (لکچرز) سال میں ۸

سال دوم

اصول فقہ: اصول الفقہ لابی زہرہ (روزانہ درس)

قواعد الفقہ: (۱) منتخبات از کتاب الفروق للقرافی

(۲) منتخبات از قواعد الاحکام للعز الدین بن عبد السلام (روزانہ درس)

(۳) منتخبات از الفوائد البہیہ للحمزاوی

مقاصد الشرع: (۱) منتخبات از حجۃ اللہ البالغۃ (روزانہ درس)

(۲) منتخبات از الموافقات للشاطبی

(۳) نظریۃ المقاصد (برائے مطالعہ)

مذاہب فقہیہ کا مطالعہ: الافصاح لابن ھبیرہ (برائے مطالعہ)

ادب قضاء: (۱) کتاب ادب القاضی للماوردی (برائے مطالعہ)
(۲) مبحث الشروط من الفتاوی العالمگیریہ

احوال الشخصیہ: الاحوال الشخصیہ لابی زہرہ (روزانہ درس تا امتحان ششماہی)

یا: احکام الاسرۃ فی الاسلام (محمد مصطفی شلبی)

دراسۃ القوانین الجدیدۃ: مصادر الحق

احوال شخصیہ وقانون شہادت (روزانہ بعد امتحان ششماہی)

قضایا فقہیہ معاصرہ: مجلات مجمع الفقہ الاسلامی (جدہ و ہند) (خارج برائے مطالعہ)

عملی تربیت: افتاء: ڈیڑھ سو سوالات کے جوابات

قضاء: فیصل شدہ مسلوں کا مطالعہ اور اس کا خلاصہ ۱۰۰ (برائے مطالعہ)

انگریزی: ہفتہ میں تین دن

محاضرات فقہیہ: سال میں ۸

سال دوم میں کسی فقہی موضوع پر سو صفحات کا مقالہ یا کسی مخطوطہ کے ۲۵ صفحات پر تحقیقی کام

محاضرات کے عناوین

۱۔ فقہ اسلامی تعارف وتدوین: قدیم تاریخ کے علاوہ مجلۃ الاحکام العدلیہ (مرتبہ خلافت عثمانیہ ترکی کی تدوین اور خدمات کا تعارف)

۲۔ اصول فقہ تاریخ وتعارف: طریقۃ الاحناف وطریقۃ المتکلمین اور دونوں طریقوں کے مناہج

۳۔ قواعد فقہ تاریخ وتعارف: بدلے ہوئے سماجی حالات میں بمقابلہ فقہی جزئیات کے قواعد وکلیات کی کیا اہمیت ہے۔

۴۔ فقہی مراجع ومصادر- ایک تعارف: (مذاہب اربعہ، مستند مراجع نیز فقہ القرآن اور فقہ الحدیث کی کتابوں کا تعارف

۵۔ مصالح مرسلہ (مقاصد شرع) ۶۔ استحسان ۷۔ قیاس ۸۔ ادارہ شرعیہ میں تحقیق وترجیح کے اصول

۹۔ اسباب اختلاف فقہاء ۱۰۔ اصحاب الحدیث اور اصحاب الرائے کے مناہج استنباط

۱۱۔ آثار صحابہ کی تشریعی حیثیت ۱۲۔ اجماع ۱۳۔ اجتہاد ۱۴۔ تقلید

۱۵۔ تلفیق ۱۶۔ طبقات فقہاء ۱۷۔ بیع حقوق ۱۸۔ ضرورت وحاجت

۱۹۔ عرف وعادت ۲۰۔ معاشرتی مسائل ۲۱۔ معاشی مسائل ۲۲۔ قانونی مسائل

۲۳۔ اسلام مخالف تحریروں کا جائزہ

گزشتہ بحث سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

خطہ بہار کے بالغ نظر علماء وفقہاء عظام کی کاوشوں کا ثمرہ آج المعہد العالی کی شکل میں ظہور پذیر ہو رہا ہے جس کے تعلیمی نظام، نصاب درس اور عملی رویے نے ہندوستان کے مدرسی ماحول کو ایک نئی شاہراہ فراہم کی۔ اس ادارے کی کاوشوں اور اس کے امتیازات کو سطور ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ ایک فاضل (جس کی عمر ۲۰ تا ۲۲ ہے) کے لئے دو سالہ کورس ایک اچھا مفتی اور قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جو اچھا استاد بھی بن سکتا ہے۔ اس کورس کے ذریعہ تیار ہونے والا مفتی، حنفی فقہ وقانون کا ماہر ہوتا ہے اگرچہ شافعی، مالکی اور حنبلی فقہ کے مطابق فتوی دینے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے بھی بہرہ مند ہوتا ہے۔ البتہ افتائی اور قضائی اعمال واشغال میں مسلکی تعصب سے بچنے کی پوری کوشش اور موجودہ مکاتب فکر کے تئیں حق وصداقت کا رویہ اس ادارے کی امتیازی شان ہے۔

۲۔ دوسری اہم پیش رفت اس ادارے کی یہ ہے کہ قانون کے میدان میں عصر حاضر کی نگارشات کے مطالعے کی تشویق کی گئی ہے۔ عالم اسلام کی عربی زبان میں احوال شخصیہ، شہادت اور تقابلی فقہ کے تعلق سے فقہی تحریروں سے استفادہ کرنے کی طلبہ کو تاکید کی جاتی ہے۔ لائبریری میں اس طرح کے مسودات اور مجلات کو خرید کر منگوایا جاتا ہے۔ اس طرح عالم اسلام میں جاری اجتہادی کوششوں کا احاطہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے جس کے ذریعہ فکر ونظر میں وسعت، معلومات میں اضافہ اور ہندوستان میں مسلم اقلیت کے مسائل کی تفہیم اور اسے حل کرنے میں تعاون ملتا ہے۔

۳۔ تیسری اہم خصوصیت اس ادارے کی یہ ہے کہ افتاء وقضاء کو مقاصد شریعت سے قریب کرنے اور مفتی کو محض ماضی کی عبارتوں کی خواندگی اور ترسیل کی ہدایت نہیں کی جاتی بلکہ فقہ الواقعہ اور زمینی حقائق کا ادراک بہم پہنچایا جاتا ہے۔ چنانچہ مقاصد شریعت کی جو کتب نصاب میں شامل کی گئی ہیں وہ اس نتیجہ کے حصول میں معاون ہیں۔ جنوبی ایشیاء کے افتائی نظام میں جو الجھنیں اور پیچیدگیاں ہیں ان کے حل کا ایک مؤثر ذریعہ مقاصد شریعت کے فہم سے فضلاء کو قریب سے قریب تر کر دیا جاتا ہے۔

۴۔ عصر جدید کے قوانین بالخصوص ہندوستان کا قانونی پس منظر، عدالتی نظام، اس کے خدوخال، فکر وعمل میں تضاد اور مسلم دشمنی پر مبنی رویوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ ایسے مقدمات اور قوانین

نیز بلوں پر کسی ماہر مسلم وکیل یا جج کے ذریعہ محاضرہ بھی کرایا جاتا ہے تاکہ فضلاء کی معلومات میں اضافہ ہو سکے اور وہ ہمت و جرأت کے ساتھ مسلم مفادات، اسلامی ورثے کی حفاظت اور اسلامی نظام عدالت کو متبادل کے طور پر پیش کر سکیں۔

مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ قانون کا ایل ایل بی اور المعہد العالی کا کورس برائے افتاء وقضاء: تقابلی مطالعے کے قابل ذکر پہلو

۱۔ دونوں جگہوں پر بعض یکسانیتیں پائی جاتی ہیں مثلاً یہ کہ مسلم یونیورسٹی کا لاء کالج بارہویں جماعت کے بعد داخلہ دیتا ہے جبکہ المعہد میں فضیلت کے بعد داخلہ کی گنجائش ہے (بعض استثنائی شکل میں عالمیت کے بعد)۔ بی اے ایل ایل بی پانچ سالہ کورس ہے جبکہ افتاء وقضاء کا کورس دو سالہ ہے لیکن دونوں اداروں کے فیض یافتہ طلبہ کی عمریں فراغت کے وقت کم وبیش یکساں ہوں گی۔ ۱۸ سال کا طالب علم بی اے ایل ایل بی جب کر چکے گا تو اس کی عمر ۲۳/۲۴ سال کی ہوگی بعینہ یہی صورت حال ایک فاضل درس گاہ کی ہوگی کیونکہ داخلہ کے وقت اس کی عمر ۲۰/۲۱ سال کی تھی اور فراغت کے وقت وہ ۲۲/۲۳ سال کا جواں سال مفتی یا قاضی بن کر میدان عمل میں آتا ہے۔

۲۔ بی اے ایل ایل بی کا سند یافتہ یا تو ایل ایل ایم، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے ذریعہ ہندوستان میں رائج قانون کی تدریس کا فریضہ انجام دے گا یا پانچ سالہ کورس مکمل کرنے کے بعد ضلع، ریاست یا مرکز کی سطح کے عدالتی نظام کا حصہ بن جائے گا۔ دوسری جانب المعہد یا اس جیسے ادارے کا مفتی وقاضی اسلامی قانون کا ایک اچھا استاد یا امارت شرعیہ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی جانب سے ہندوستان کے کسی خطے میں دار القضاء کا قاضی بن سکتا ہے۔ البتہ اسلامی قانون کا اختصاصی کورس برصغیر کے کسی مدرسہ میں جاری و نافذ نہ ہونے کے سبب ماہرین قانون اسلامی کی افزائش کی صورت اب صرف مفتی یا قاضی کی شکل میں باقی رہ جاتی ہے۔

۳۔ دونوں جگہوں کے نصاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ کالجز میں اختیاری مضامین کی گنجائش رکھی جاتی ہے چنانچہ طلبا اپنے شوق اور نفسی میلان کی تکمیل کے لئے آزاد اور خود مختار ہوتے ہیں۔ چنانچہ بی اے ایل ایل بی میں ۴۶ مضامین برائے قانون کا ہونا مسئلہ زیر بحث کی افادیت کی روشن دلیل ہے۔ بدقسمتی سے مدرسی نصاب اور دار الافتاء کا کورس اختیاری مضامین کی افادیت کے اعتراف میں بہت پیچھے نظر آتا ہے البتہ المعہد کے چارٹ کے ذریعہ بعض جگہوں پر اس جانب خوش آئند اشارے ملتے ہیں۔ اختیاری مضامین کی کثرت علم کی وسعت اور کسی

ادارے کے نصاب کے لئے خوش آئند پہلو ہوتا ہے۔

۴۔ لاء کالج مسلم یونیورسٹی کا بی اے ایل ایل بی اسلامی قانون/مسلم قانون کی معرفت کے ساتھ رومن لاء، ہندو لاء، کمرشیل لاء، ماحولیاتی لاء، کمپنی لاء وغیرہ سے بہرہ مند ہو جاتا ہے اور عدالتی نظام کا حصہ بن کر یا کالج/یونیورسٹی میں تدریس سے جڑ کر خدمت کے وسیع میدان میں جودت طبع اور فنکاری کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ اس وسعت کا بامعنی مفہوم یہ ہے کہ ہندوستان کے تکثیری معاشرے میں ایک مسلم وکیل کو مختلف اقلیات، شیڈول ٹرائب اور دیگر معاشی میدانوں کے قوانین کی واقفیت کے نتیجہ میں اس بات کے زیادہ مواقع ملتے ہیں کہ وہ ملک وملت اور قوم ووطن کی بھرپور خدمت اور نمائندگی کر سکے۔ جبکہ مدارس بشمول المعہد العالی کے فضلاء قانون مذکورہ افادیت سے بہرہ مند نہ ہونے کے سبب ملت وملت کی بامعنی خدمت انجام نہیں دے سکتے، اس مقام پر مدارس کے منتظمین سے یہ مطالبہ بے جا ہوگا کہ ہندوستانی لاء کالجز کے تمام نصابات کی تدریس کا نظم کریں لیکن جس طرح المعہد نے بعض اہم بالشان مسائل میں پہل کی کوشش کی ہے، جن کی طرف ہنوز اہل مدارس اور ان کے ارباب بسط وکشاد کو توفیق نہیں مل سکی ہے، مثلاً موجودہ ہندوستانی قانون کا مطالعہ، معاصر اسلامی دنیا کی قانونی تحریروں کا مطالعہ، مقاصد شریعت کا مطالعہ، عصر جدید کی اسلامی دنیا کی قانونی تحریروں کا مطالعہ اور عملی قضاء کی کارروائی میں فضلاء کی شرکت جیسی المعہد کی سرگرمیاں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ راقم حروف کا خیال ہے کہ قانون کی تدریس وتحقیق اور تدوین میں مزید اجتہادی ذوق کا مظاہرہ فقہاء ہند کے اوپر فرض کفایہ ہے، اور اس کا بہترین محل مدارس اسلامیہ ہیں جہاں اختصاصی شعبہ کے ذریعہ اس مشکل عمل کی شروعات کی جاسکتی ہے۔ اگر مدارس کسی سطح کے اوپر ہندوستان میں پائی جانے والی مختلف اقوام، اقلیتوں اور پچھڑی ذاتوں کے رسوم ورواج کی تدریس کا سلسلہ جاری کر دیں تو ہندوستان جیسے تکثیری معاشرے میں مدارس کا وزن محسوس کیا جائے گا۔ مسلم طلبہ/طالبات کی ایک بڑی تعداد دیگر اقلیتوں کے قوانین کے مصنف، مدرس اور شارح شمار کئے جاسکتے ہیں اور اسلام کی عادلانہ تعلیمات کے ابلاغ کا خود بخود ایک اہم ذریعہ ہاتھ آجائے گا۔ تیسری طرف ہندوستان میں جاری نظام عدلیہ کا فہم پیدا ہوگا اور یہ پہلو مسلم مفادات کی حفاظت اور اسلامی تہذیب کے احیاء کا بامعنی کردار ادا کرے گا۔

۵۔ شعبہ قانون کے نصاب کی تدریس میں اور اسلامی قانون کی تصنیف وتعلیم میں غیر مسلموں کا بھی حصہ نظر آتا ہے، نصاب کی تیاری میں ہندو اہل علم نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے جس کا

اندازہ یونیورسٹیز کے شعبۂ قانون کے نصابہائے قانون میں سفارشی کتب سے لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس عمل کے نتیجہ میں غیر مسلموں کے تعصب کے کم ہونے کے قوی امکانات ہیں جن کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ دوسری طرف اسلامی قانون کی تشریح اور تفہیم غیر مسلم مصنف کے قلم سے غیر مسلموں کے درمیان زیادہ معتبر و معقول ہونے کا بھی بدیہی امکان موجود ہے۔ اس عمل میں غیر مسلم دنیا یعنی یورپ و امریکہ کے مصنفین ہندوستانی لاء کالجز کے باشندین اور ہندوستانی عدلیہ سے وابستہ اہل وطن کی خدمات سے مسلم یونیورسٹی کا لاء کالج اور اس کا نصاب برائے اسلامی قانون بہرہ مند ہوتا نظر آتا ہے۔ اس مسئلے پر گہرائی کے ساتھ تحقیق کی ضرورت ہنوز باقی ہے۔

دوسری طرف ملک گیر سطح پر مدارس میں جاری اسلامی فقہ/ قانون اس کشادہ ظرفی سے محروم نظر آتے ہیں۔ چونکہ دار الافتاء اور دار القضاء صرف اسلامی قانون اور شریعت کے ماخذ کی تشریح پیش کرتے ہیں چنانچہ ان نصابہائے قضاء و افتاء میں وہ پھیلاؤ اور انسانی مسائل کے حل کرنے کی فکر نظر نہیں آتی جسے اسلام کا تصور عدل برپا کرنا چاہتا ہے۔ اس موقع پر راقم حروف عرض کرنا چاہتا ہے کہ مدارس، بڑھتے ہوئے عصری و دینی علوم کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی حوصلہ مند روایت قائم کریں، دوسروں کے قوانین سے واقفیت بہم پہنچائیں، اور جس طرح دیگر غیر مسلمین اسلامی قوانین کی تفہیم کر رہے ہیں مسلم قانون داں بھی دیگر اقوام کے قوانین کے شارح بننے کی کوشش کریں۔ یہ مشورہ مدارس اور کالجز دونوں پر یکساں طور پر صادق آتا ہے۔ اس قضیے سے جڑا ہوا یہ مسئلہ بھی لائق توجہ ہے کہ مدارس اور دار الافتاء و القضاء کم از کم اردو زبان میں طبع زاد یا عربی و انگریزی زبانوں سے منتقل ہونے والی تحریروں کو اپنی لائبریری میں جمع کرنے کی کوشش کریں۔ مثلاً یہ کہ پاکستان کی نظریاتی کونسل، بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبۂ قانون اور شریعہ اکیڈمی اسلام آباد نے اس ضمن میں جو علمی پیش رفت کی ہے ضروری ہے کہ مسلم مفتیان و قضاۃ ان سے کسب فیض کریں۔ اس مقام پر یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ قانون کو حکومتی سرپرستی کا منصفانہ استعمال کرنا چاہئے۔ مثلاً یہ ضرورت بہرحال ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ قانون کو اسلامی قانون کا ایک اچھا مرکز بھی ہونا چاہئے۔ عربی کے ماخذ یا ان کا ترجمہ موجود ہونا چاہئے۔ یورپ اور امریکہ میں مسلم و مشرقی ماہرین قانون نے اسلام کی موافقت یا مخالفت میں جو اضافے کئے ہیں انہیں لائبریری کی شیلف میں موجود ہونا چاہئے وہیں پڑوسی ملک پاکستان نے اسلامی قانون کی عملی تعبیر اور گلوبلائزیشن کے اس دور میں جو کچھ پیش قدمی اردو، انگریزی اور عربی زبانوں میں کی ہے اس کا ذخیرہ یہاں دستیاب ہونا

چاہئے۔ اس ضرورت کا محرک دراصل فیکلٹی کے وہ کورسز ہیں جن کی حقیقی علمی پیاس بجھانے کے لئے ان بیرونی ذخائر سے واقفیت بہرحال ضروری ہے مثلاً اسلامی قانون کے کسی ایسے پہلو پر پی. ایچ. ڈی. کرائی جائے جس کے ذریعہ بیرونی ممالک خاص طور پر ملیشیا، انڈونیشیا، عرب ممالک، مصر اور یورپ و امریکہ میں اسلامی قانون کی تدریس، تصنیف، تدوین اور تحقیق کے تعلق سے علمی کوششوں کا اندازہ ہوسکے۔ دونوں جگہوں پر ایک واضح کمی کا احساس ہوتا ہے مثلاً شعبۂ قانون میں عربی ماخذ سے عدم آگہی اور المعہد جیسے اداروں میں رومن لاء اور ہندوستانی لاء کے ماہرین کی کمی ایسے پروفیسرز اور عالم دین کے دونوں جگہوں پر روزگار سے وابستہ کرنے کی کوشش اگر کی جائے تو اس کے مثبت نتائج سامنے آسکیں گے۔

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مدارس، دار الافتاء اور دار القضاء کی تاریخ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے آس پاس ہی شروع ہوجاتی ہیں، لیکن محمد بن قاسم کے بعد عہد سلطنت و مغلیہ میں افتائی و قضائی کاموں کی تفصیلات کو جمع نہیں کیا جاسکا اور نہ ملت کے اندر دار القضاء کے قیام کی ضرورت اور اس کی حقیقی تحریک نظر آتی ہے۔ حالانکہ خوش آئند بات یہ ہے کہ آج ملک و بیرون ملک میں شعبہ قانون نے اسلامی قانون کو اپنے نصاب کا حصہ بنایا ہے جس میں ایک مسلمان وکیل کو اسلامی قانون کے ہمراہ وقت کے جملہ قوانین، اقلیات کے حقوق اور قانون ہند/ ملک کی بھرپور معلومات فراہم کرنے کے بعد عدل کو برپا کرنے کے سلسلہ میں بے شمار صلاحیتوں سے بہرہ مند کرتا نظر آتا ہے، دوسری طرف مدارس کا طویل سفر بھی ان ثمرات و برکات کے حصول میں بہت پیچھے نظر آتا ہے۔ اگرچہ فکری لحاظ سے مدارس کا کردار عصری دانش گاہوں کے بالمقابل احساس ذمہ داری اور پختہ شعور کے ساتھ ہم آہنگ اور عمل کے میدان میں زیادہ قابل اعتبار اور فعال نظر آتا ہے۔

حواشی و تعلیقات

۱۔ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ قانون بی اے ایل ایل بی اور ایل ایل ایم کے نصاب کے لئے رجوع کریں
Syllabus BALLB I to X Semester اور Syllabus LLM I to IV Semester
نیز ذیل کی ویب سائٹس دیکھئے
1. http://www barcouncilofindia.org.wp-content/uploads/2010/05/Advocates Act-1961-pdf
2.http://www.barcouncilofindia.org/wp-content/uploads/2010/05/BCI Rules pa:1 IV.pdf

۲۔ مجاہد الاسلام قاسمی، تعارف، نصاب المعہد العالی للتدریب فی القضاء و الافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۳

۳۔ دیکھئے نصاب و تعارف المعہد العالی بحوالہ سابق ۲۳

تفہیم القرآن — ایک مطالعہ

مولانا محمد اسماعیل فلاحی ٭

فقہی مسلک میں اعتدال

سید مودودی فروعی مسائل میں عام طور پر فقہ حنفی پر عمل کیا کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے اندر تحزب اور تشدد نہیں، وہ قرآن کا مطالعہ مسلکی عینک سے نہیں کرتے، پہلے سے طے کئے ہوئے طریقہ سے خالی الذہن ہو کر کسی جمود کا شکار ہوئے بغیر ذہن کے دریچوں کو وا کر کے قرآن و سنت سے جس نتیجے پر پہنچتے ہیں اسے بے کم و کاست بیان کر دیتے ہیں۔ سورہ بقرہ میں طلاق کے سیاق میں ہے **ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اٰتیتموھن شیئاً** (بقرہ:۲۲۹) مولانا مودودی ترجمہ کرتے ہیں ”اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انھیں دے چکے ہو اس سے کچھ واپس لے لو۔“ اس پر حاشیہ ۲۵۱ میں مولانا رقم طراز ہیں:

> ”یعنی مہر اور وہ زیور اور کپڑے وغیرہ جو شوہر اپنی بیوی کو دے چکا ہو، ان میں سے کوئی چیز بھی واپس مانگنے کا اسے حق نہیں ہے۔ یہ بات ویسے بھی اسلام کے اخلاقی اصولوں کی ضد ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی چیز کو جسے وہ دوسرے شخص کو ہبہ یا ہدیہ و تحفہ کے طور پر دے چکا ہو واپس مانگے۔ اس ذلیل حرکت کو حدیث میں اس کتے کے فعل سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی ہی قے کو خود چاٹ لے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ ایک شوہر کے لئے تو یہ بہت ہی شرمناک ہے کہ وہ طلاق دے کر رخصت کرتے وقت اپنی بیوی سے وہ سب کچھ رکھوا لینا چاہے جو اس نے کبھی اسے خود دیا تھا۔ اس کے برعکس اسلام نے یہ اخلاق سکھائے ہیں کہ آدمی جس عورت کو طلاق دے، اسے رخصت کرتے وقت کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرے جیسا کہ آگے آیت ۲۴۱ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔“ (تفہیم القرآن ج ا ص ۱۷۵)

٭ استاذ تفسیر جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

صاحب تفہیم کے اس دو ٹوک موقف کے برعکس فقہ حنفی میں مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ شوہر نے تحفے تحائف وغیرہ جو دئے ہیں انھیں واپس لے سکتا ہے، البتہ مہر نہیں لے گا۔ اسی سیاق میں آگے ہے: ”فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجا غیرہ (بقرہ:۲۳۰) مولانا اس کی ترجمانی یوں کرتے ہیں ”پھر اگر (دوبار طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لئے حلال نہ ہوگی، الا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ اسے طلاق دیدے۔“ اس پر حاشیہ ۲۵۳ میں مولانا فرماتے ہیں:

> ”احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے لئے حلال کرنے کی خاطر کسی سے سازش کے طور پر اس کا نکاح کرائے اور پہلے سے یہ طے کرے کہ وہ نکاح کے بعد اسے طلاق دے دیگا تو یہ سراسر ایک ناجائز فعل ہے، ایسا نکاح، نکاح نہ ہوگا بلکہ محض ایک بدکاری ہوگی اور ایسے سازشی نکاح و طلاق سے عورت ہرگز اپنے سابق شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ اور ابو ہریرہؓ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم کی متفقہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس طریقہ سے حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔“

نکاح حلالہ کے معاملہ میں سید مودودیؒ کا یہ نقطۂ نظر فقہ حنفی سے متصادم ہے، احناف کے یہاں اگرچہ کہ یہ لعنتی فعل ہے لیکن نکاح منعقد ہو جائے گا۔

مجھے اس سے بحث نہیں ہے کہ سید مودودیؒ کا یہ نقطۂ نظر کتنا وزنی ہے، میں تو صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان کے یہاں مسلکی تشدد نہیں ہے۔

سید مودودی اور روایات و آثار

سید مودودی جس طرح مسلک کے معاملہ میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اسی طرح روایت کے باب میں بھی متوازن نظر آتے ہیں، روایات کو نظر انداز کرتے ہیں اور نہ اس کی رعایت اور پاسداری میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ کلام الٰہی پس پشت ہو جائے یا دوسرے شرعی اصولوں پر حرف آئے۔ روایتوں کو قرآن اور دوسرے شرعی اصولوں کی میزان پر تولتے ہیں، جو پوری اترتی ہیں انھیں لے لیتے ہیں ورنہ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ کوئی بھی روایت کسی پہلو سے قرآن سے متعارض ہو تو وہ رسول کا قول کیسے ہو سکتی ہے، قرآن پورا کا پورا قطعی ہے اور روایات ظنی ہیں، ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسداً ثم اناب (سورہ ص:۳۴) میں فتنہ

سے کیا مراد ہے؟ اور ان کی کرسی پر جسد لاکر ڈال دینے کا مطلب کیا ہے، اس سلسلہ میں پہلے اسرائیلیات کی بنیاد پر دو طرح کی رایوں کا ذکر کرنے کے بعد ایک اور روایت ذکر کرتے ہیں، انھی کے الفاظ میں:

''تیسرا گروہ کہتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا، مگر یہ بات کہتے ہوئے انھوں نے ان شاء اللہ نہ کہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئیں اور ان سے بھی ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا جسے دائی نے لاکر حضرت سلیمانؑ کی کرسی پر ڈال دیا۔ یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے اور اسے بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد روایتوں سے نقل کیا ہے۔ خود بخاری میں مختلف مقامات پر یہ روایت جن طریقوں سے نقل کی گئی ہے، ان میں کسی میں بیویوں کی تعداد ۶۰ بیان کی گئی ہے، کسی میں ۷۰، کسی میں ۹۹ اور کسی میں ۱۰۰۔ جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا، لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی ﷺ نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے، بلکہ آپ ﷺ نے غالباً یہود کی یاوہ گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر اسے بطور مثال بیان فرمایا ہوگا اور سامع کو غلط فہمی لاحق ہوگئی کہ اس بات کو حضور ﷺ خود بطور واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ ایسی روایات کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے، ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ سکتا ہے کہ جاڑے کی طویل ترین رات میں بھی عشا اور فجر کے درمیان دس گیارہ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں ہوتا، اگر بیویوں کی کم سے کم تعداد ۶۰ ہی مان لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمانؑ اس رات بغیر دم لیے فی گھنٹہ ۶ بیوی کے حساب سے مسلسل دس گھنٹے یا ۱۱ گھنٹے مباشرت کرتے چلے گئے۔ کیا یہ عملاً ممکن بھی ہے؟ اور کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ حضور ﷺ نے یہ بات واقعے کے طور پر بیان کی ہوگی؟ پھر حدیث میں یہ بات کہیں نہیں بیان کی گئی کہ قرآن مجید میں حضرت سلیمانؑ کی کرسی پر جس

جسد کے ڈالے جانے کا ذکر آیا ہے اس سے مراد یہی ادھورا بچہ ہے ....''

(تفہیم القرآن ج ۴ حاشیہ ۳۶ ص ۳۳۷)

اسی طرح قال بل فعله كبيرهم هذا فسئلوهم ان كانوا ينطقون (انبیاء: ۶۳)

کا حاشیہ ۶۰ میں مفہوم واضح کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''بدقسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آگئی ہے کہ حضرت ابراہیم اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے ہیں۔ ان میں ایک 'جھوٹ' تو یہ ہے اور دوسرا 'جھوٹ' سورہ صافات میں حضرت ابراہیم کا قول انی سقیم ہے اور تیسرا 'جھوٹ' ان کا اپنی بیوی کو بہن کہنا ہے، جس کا ذکر قرآن میں نہیں بلکہ بائبل کی کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کرکے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے بخاری و مسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے، دوسرا گروہ اس ایک روایت کو لے کر پورے ذخیرۂ حدیث پر حملہ آور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ساری ہی حدیثوں کو اٹھا کر پھینک دو کیونکہ ان میں ایسی ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں، حالانکہ نہ ایک یا چند روایات میں کسی خرابی کے پائے جانے سے یہ لازم آتا ہے کہ ساری ہی روایات ناقابل اعتماد ہوں اور نہ فن حدیث کے نقطہ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابل اعتراض ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کرکے صحیح مان لیا جائے۔ سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ایسے ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی ﷺ کی فرمائی ہوئی نہیں ہو سکتیں، اس لیے سند کے ساتھ ساتھ متن کو دیکھنا بھی ضروری ہے اور اگر متن میں واقعی کوئی قباحت ہو تو پھر خواہ مخواہ اس کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔ ....''(۱)

اسی طرح سورہ حج کی آیت وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا

(۱) اگر لفظ کذب مغالطہ اور توریہ کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں تو پھر اس روایت میں کوئی قباحت باقی نہیں رہتی۔

تمنی القی الشیطان فی امنیتہ (حج:۵۲) حاشیہ ۱۰ ص ۲۳۸ تا ۲۴۵ پر تلک الغرانیقالعلیٰ وان شفاعتہن لترتجی والی روایت پر سخت تنقید کی ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳)

اسی طرح وشہد شاہد من اھلہا (یوسف:۲۶) حاشیہ ۲۳ میں شاہد سے مراد بعض روایات کی بنا پر شیر خوار بچہ لیا گیا ہے، اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ''یہ روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور نہ اس معاملہ میں خواہ مخواہ معجزے سے مدد لینے کی کوئی ضرورت ہی محسوس ہوتی ہے......'' (اس روایت کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے لیکن یہ روایت عبداللہ بن عباس سے عوفی کے واسطے سے ہے (مظہری) اور عوفی کو امام نسائی، امام احمد، یحییٰ بن سعید القطان، ہشیم، ابوحاتم، ابن عدی، جوزجانی، ابن حبان، امام ابوداؤد اور ساجی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ علوم القرآن ص ۴۹۴، ویسے مظہری نے ابوہریرہؓ سے بھی یہ روایت ذکر کی ہے۔)

..................جاری

چھینک کے دوران کیا ہوتا ہے؟

چھینک انسان کی زندگی کا ایک اہم اور نازک معاملہ ہے۔ لیکن کیا ہر شخص اس بات سے واقف ہے کہ چھینک میں چند لمحوں کے لئے موت ہوتی ہے اور پھر اسے ایک نئی زندگی مل جاتی ہے؟

چھینک کے بعد ''الحمد للہ'' کہنے کی حکمت یہ ہے کہ چھینک کے دوران دل کی دھڑکن رک جاتی ہے۔

اور زور سے چھینکنے کے وقت اس بات کا امکان ہے کہ ہماری کوئی پسلی ٹوٹ جائے اور جب چھینک نکلنے والی ہو اور ہم اسے اچانک روکنے کی کوشش کریں تو یہ عمل گردن یا سر میں خون کے پہنچنے کا سبب بن سکتا ہے اور وفات بھی ہو سکتی ہے اور اگر چھینک کے دوران دونوں آنکھیں کھلی چھوڑ دی جائیں تو یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی جگہ سے نکل جائیں۔

یہ امر بھی قابل تعجب ہے کہ چھینک کے دوران ہمارے جسم کے عمل کا تمام نظام رک جاتا ہے، باوجود اس کے کہ چھینک کا وقت ایک سیکنڈ یا ایک سیکنڈ کا کچھ حصہ ہوتا ہے اور اس کے بعد ہم اپنے کاموں میں اس طرح مصروف ہو جاتے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

(اقبال احمد اصلاحی ندوی)

قرآنی اسالیب دعوت (۶)

مولانا مقبول احمد فلاحی

(۲۴) محرومین و مستضعفین کے حقوق کی ادائگی کے لئے عملی جد و جہد

دعوت دین اور شہادت حق کے عموماً دو معروف ذرائع ہیں۔ ایک قولی دوسرے عملی۔ حق کی وہ گواہی جو کردار اور عمل سے دی جاتی ہے وہ زیادہ موثر اور کارگر ہوتی ہے۔

اللہ کی قدرت و صناعی کا بے مثال پیکر انسان کا وجود ہے۔ انسانی ساخت اور اسکا وجود بظاہر مختلف اور متضاد جذبات اور جبلتوں کا مجموعہ ہے۔ اور ہر جذبہ و جبلت اس کے وجود کی ترقی اور نشو نما میں معاون و مددگار ہے۔ اگر بظاہر ان متضاد اور متغائر جذبات کو تعلیم و تربیت کے ذریعہ متوازن اور ہموار نہ کیا جائے تو انسان جسے اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم پر پیدا کیا ہے دنیائے انسانیت کے لئے بدی کا محور بن جاتا ہے اور اسفل السافلین میں جا گرتا ہے۔ انہی جذبات میں سے ایک جذبہ خود پسندی اور مفاد پرستی کا ہے۔ اگر یہ جذبہ نہ ہو تو انسان نہ اپنی حفاظت کر سکتا ہے اور نہ اپنی ذات کو ترقی دے سکتا ہے۔ لیکن یہ جذبہ جب حد توازن کھو دیتا ہے تو دوسروں کے مفادات پر ڈاکے ڈالنے لگتا ہے۔ اور انسانیت کا استحصال کر کے اپنے مفادات کی حفاظت کا سامان تیار کرنے لگتا ہے۔ تماشہ یہ ہے کہ سماجی انصاف کے خوشنما نعروں کے پس پشت جذبہ ظلم کارفرما ہوتا ہے۔ عالمی امن و سلامتی کے عنوان سے ظلم و بربریت اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔ امن و سلامتی کے ادارے ظلم و ستم کے نئے نئے راستے تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ داعی کا کام یہ ہے کہ عوام الناس کو ان شر پسند عناصر کے منصوبوں سے آگاہ کرے۔ پس پردہ اسکیموں کو منظر عام پر لائے۔ لوگوں کے زاویہ نظر کی اصلاح کرے۔ درحقیقت یہ ظلم و ناانصافی اور اندھیرا اسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک کہ شمع حق فروزاں نہ ہو اور جب روشنی پھیلتی ہے اندھیرے یک لخت کافور ہو جاتے ہیں۔ بڑی کٹھن، بہت ہمت طلب اور جانگسل ہے یہ وادی، یہ دعوت حق کی وادی ہے۔

انسانی تاریخ کا ہر دور ایسے عناصر کی داستان ظلم و ستم سے لبریز ہے جنہوں نے مختلف ذرائع سے دوسرے انسانوں کو غلام بنایا، ان کا استحصال کیا، ان پر مظالم ڈھائے، اور ان کا خون چوس کر فربہی حاصل کرتے رہے۔ اسلام اسے ظلم و ناانصافی سے تعبیر کرتا ہے۔ اور اس ظلم و ناانصافی کا

قلع قمع کرنا اس کا اولین ہدف ہے۔

انبیاء کرام کی بعثت کا ایک اہم مقصد یہ رہا ہے کہ ظلم و ناانصافی کا خاتمہ کر کے حق و انصاف کا بول بالا کیا جائے۔ مگر ظلم و استحصال کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا اور حق و انصاف کے لئے جدوجہد کرنا ایک سخت معرکہ ہے اور انبیاء کرام نے اپنی زندگیوں میں یہی معرکے سر کئے ہیں۔ قول و عمل کی شہادت نیز سرگرم جدوجہد کے ذریعہ ہمیشہ مظلوموں کی حمایت کی اور انسانوں کے بنائے ہوئے استحصالی نظاموں سے انہیں آزاد کرایا۔ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے کے لئے جہاد کبیر کیا۔ اسکے لئے عملی نمونہ پیش کیا، بڑے پیمانے پر ذہن سازی کی اور آخری حد تک جا کر عوام الناس کی حمایت کی۔ ابتداء میں جن کی نجات کی جدوجہد ہوتی ہے وہی طبقہ دعاۃ کو بجائے نجات دہندہ سمجھنے کے اپنا دشمن سمجھتے ہیں لیکن جب صبر و ثبات کے ساتھ یہ کام جاری رہتا ہے تو رفتہ رفتہ مظلومین کی آنکھوں کا غبار زائل ہونے لگتا ہے اور پھر وہ وقت بھی آتا ہے کہ یہی طبقہ آگے بڑھ کر مستکبرین سے ٹکراتا اور ان کو کیفر کردار تک پہنچا دیتا ہے۔

اس مہم جوئی کا زبردست فائدہ یہ ہوا کہ انسانی سماج کی وہ اکثریت جو ایک زمانے سے دوسرے مفاد پرست انسانوں کی ہوس پرستی کا شکار ہو کر کراہ رہی تھی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اس کی بھرپور حمایت حاصل ہوئی۔ عملی جدوجہد کے مرحلہ میں اس طبقہ نے انبیاء کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کیا اور ان کے دامن میں پناہ لے کر آزادی اور مسرت سے ہمکنار ہوئی۔ مثلاً خواتین، غلام، یتیم، غریب، پس ماندہ طبقات اور دیگر مظلومین و محرومین طبقات وغیرہ،، وما لکم لا تقاتلون فی سبیل الله والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من هذه القریة الظالم اهلها، واجعل لنا من لدنک ولیاً، واجعل لنا من لدنک نصیرا" (النساء:۷۵) آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں۔ اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا، ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔ وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کله لله. اے مسلمانو ان دشمنان حق سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ (راہ حق اختیار کرنے میں رکاوٹ) باقی نہ رہ جائے اور مکمل بالادستی اور اطاعت صرف اللہ کی ہو جائے۔

(۲۵) اصول تدریج۔

تدریج قرآنی حکمت دعوت کا ایک اہم اسلوب ہے۔ کلمہ طیبہ کے شعوری اقرار کے بعد بلا شبہ ایک انسان کے اندر بنیادی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن اسلام دین فطرت ہے اس لئے بہت سے اعمال و احکام پر عمل درآمد کے سلسلے میں تدریج کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اسلام کی طرف آنے والے کے اندر یک لخت معیار مطلوب تلاش کرنا غیر حکیمانہ طرز عمل ہے۔ توقع کی جانی چاہئے کہ قلب کی جوہری تبدیلی کے بعد رفتہ رفتہ ایمان کے تقاضوں کی تکمیل بھی ہوگی۔ لہٰذا تقاضوں کی تکمیل میں شدت سے کام نہیں لینا چاہئے۔ جوا، شراب، زنا، روزہ، قسم وغیرہ احکامات میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ مخاطب کی ذہنی و نفسیاتی کیفیات کی کس حکمت کے ساتھ رعایت کی گئی ہے۔

انسانی سرشت میں بعض عادات کی گرفت اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ اکثر ایک تدریج کے ساتھ رفتہ رفتہ ہی اس سے نجات مل پاتی ہے۔ یہی معاملہ احکامات کی مثبت انداز سے عمل آوری کا بھی ہے۔ واضح رہنا چاہیے کہ قرآن ایک حکیمانہ تدریج کے ساتھ تیئس (۲۳) سال کی طویل مدت میں نازل ہوا۔ آنحضور ﷺ کی قیادت میں صحابہ کرامؓ کی اسلامی نہج پر تزکیہ و تربیت اور اسلامی تعلیمات کی تکمیل تیئس سال میں ہوئی۔ اسی طرح ایک انسان کو اسلام سے متعارف کرانے اور اسے تعلیمات اسلامی کا خوگر بنانے کے لئے الاہم فالاہم کے اصول کے تحت تعلیمات سے واقف کرایا جائے گا۔ مخاطب کی ذہنی و عملی کیفیات کے مدنظر بقدر ظرف و بضرورت ایک تدریج کے ساتھ راہ حق کے منازل طے کرائے ہوں گے تا کہ وہ فطری رفتار کے ساتھ آگے بڑھ سکے۔ اسے دین میں تنگی نہ محسوس ہو اور اکتاہٹ میں نہ مبتلا ہو۔ اور اسلام کو نا قابل عمل نہ باور کرے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث سے اصول تدریج پر واضح روشنی پڑتی ہے۔ آپؐ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے وقت نصیحت کرتے ہوئے فرمایا "انک ستاتی قوماً من اهل الکتاب، فاذا جئتهم فادعهم الیٰ ان یشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله فان اطاعوا لک بذالک فاخبرهم ان الله قد فرض علیهم خمس صلوٰت فی کل یوم ولیلة، فان هم اطاعوا لک بذالک فاخبرهم ان الله قد فرض علیهم صدقة توخذ من اغنیائهم فترد الیٰ فقرائهم، فان اطاعوا لک بذالک فایاک وکرائم اموالهم (البخاری ۳۹۹۹، ۱۳۰۸، ۱۳۹۵) تم عن قریب اہل کتاب کے ایک گروہ کے پاس پہنچو گے، جب وہاں پہنچ جاؤ تو انہیں اس بات کی دعوت دو کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اگر وہ لوگ تمہاری اس دعوت کو قبول کر لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے شب و روز میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب یہ بات بھی تسلیم کر لیں تو انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر انہی کے غرباء و مساکین پر خرچ کی جائے گی۔ جب یہ بات بھی تسلیم کر لیں تو ان کے اموال پاک ہیں، اب ان کے پاکیزہ اموال لینے سے گریز کرو۔

(۳۶) اصول تکرار۔

قرآن نے تعلیمات کی تلقین، تفہیم اور تذکیر کے لئے کہیں کہیں تکرار کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ اس مختصری کتاب میں زندگی اور کائنات کے تمام بنیادی حقائق کو اس کے اندر سمو دیا گیا ہے۔ قرآن نا پیدا کنار سمندر ہے جس کی وسعت، گہرائی، اور گیرائی کو سمجھ پانا امر محال ہے۔ جب جس مسئلہ میں رہنمائی کی ضرورت ہو قرآن کی طرف رجوع کیجئے، اس میں تدبر کیجئے اور دیکھئے ہر معاملہ میں قرآن رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اس اختصار اور اعجاز کے باوجود ضرورت کے مطابق ایک واقعہ، ایک مسئلہ یا ایک آیت کو کئی بار دوہراتا ہے تاکہ مخاطب اس کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھ لے اور اس کے دل و دماغ میں تعلیمات نقش ہو جائیں۔ ضرورت تھی کہ انسان اپنی بنیاد اور بنیادی حقائق کو سمجھے لہٰذا قصہ آدم و ابلیس کو مختلف مواقع پر مختلف پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ سابقہ امت مسلمہ بنی اسرائیل کا تذکرہ کئی مواقع پر آیا ہے اور ہر موقع پر اپنی منفرد معنویت لئے ہوئے ہے۔ بنی اسرائیل کے جرائم بتکرار بیان کئے گئے ہیں تاکہ لوگ ان کے اثرات بد سے محفوظ رہیں اور عبرت حاصل کریں۔ مغضوب اور ضال قوموں کے حالات مختلف مواقع پر بیان کئے گئے ہیں تاکہ مخاطب غور و فکر کرکے درست رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے۔

صراط مستقیم پر آنے اور مستقل مزاجی کے ساتھ اس پر قائم رہنے کے لئے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کا بار بار استحضار ہو لہٰذا پورے قرآن میں قدرت کے کرشمے بتکرار بیان ہوئے ہیں۔ سورہ رحمٰن میں تو ایسی واضح تکرار ہے کہ سخت دل انسان بھی اللہ کے احسانات وانعامات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔ قرآن اصل ماخذ ہدایت ہے لہٰذا قرآن کو بطور تذکیر یا ہدایت نامہ تسلیم کرنے کی تکرار، راہ حق سے انحرافات کے انجام بد کی تکرار، موت اور آخرت کی تکرار، اللہ کی وحدانیت کی تکرار۔ اس طرح دیکھا جائے تو اصول اور بنیادی تعلیمات جس کی ذہن نشینی انسانی زندگی کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرنے کی قوت وصلاحیت رکھتی ہے قرآن نے بڑی حکمت اور معنویت کے ساتھ جگہ جگہ اس اصول کا استعمال کیا ہے۔ جہاں بھی تکرار کے اصول کو اختیار کیا گیا ہے کہیں ذہنی بوجھ محسوس نہیں ہوتا ہے، ہر جگہ نئے اسلوب اور نئے پیرائے میں اس کا استعمال ہوا ہے۔

قرآنی اسلوب دعوت کا یہ اہم باب ہے۔ داعی کو اپنا پیغام مخاطب کے دل و دماغ میں اتارنے کے لئے حسب ضرورت اس اسلوب کا بھرپور استعمال کرنا چاہئے۔ آنحضورﷺ اہم امور کی جانب صحابہؓ کو متوجہ کرنے کے لئے اکثر یہ طریقہ اپناتے تھے۔ ☆☆☆

تحریک اسلامی کا ایک درخشاں ستارہ روپوش

محمد عمران فلاحی☆

نام: جناب جنید احمد ابن شیخ محمد سلیم مسمی بہ نگراں صاحب (رکن جماعت اسلامی ہند)، تاریخ پیدائش جنوری ۱۹۳۲ء (غالباً)، وفات ۹ر فروری ۲۰۱۲ء بمطابق ۱۶ر ربیع الاول ۱۴۳۳ھ بوقت دو بجے رات۔ ایسے ماحول میں آنکھیں کھولیں جہاں دین کے نام پر خرافات و بدعات، غیر اسلامی رسم و رواج جیسے افعال انجام دئے جاتے، گھر اور معاشرہ کا ماحول یکساں تھا، آپ کا پورا خاندان قوت و طاقت نیز پہلوانی، کشتی میں یکتا تھا، جہاں دین کا تصور بہت محدود تھا۔

بچپن ہی میں مسجد کی تعلیم کے دوران مرحوم حافظ محمد خلیل صاحب (پہاڑ پور، غازی پور) جو جماعت اسلامی سے متاثر تھے، ان سے تعلیم حاصل کی اور صحیح وخالص دین اور اس کی تعلیمات سے روشناس ہوئے اور عملی زندگی میں برتا، مرحوم حافظ محمد خلیل صاحب جامع مسجد محسن پورہ میں امامت فرماتے، نگراں صاحب کا اپنے استاد سے قلبی لگاؤ رہا۔ ان کی وفات کے بعد مرحوم استاد کی زوجہ کی آخری وقت تک خبر گیری کرتے رہے۔ ماں کہہ کر پکارتے۔

عصری تعلیم

میٹرک انٹر کالج نچکشی سے حاصل کی، پھر ملازمت کی غرض سے علی گڑھ گئے، وہاں گورنمنٹ ملازمت حاصل کی مگر چند سالوں کے بعد چھوڑ دی، جماعت اسلامی کے رکن ہو چکے تھے، مولانا امین احسن اصلاحی صاحب سے خوب استفادہ کیا۔

گھر پر بھائیوں کی آڑہت تھی، اس پر کام کرنے لگے، مگر کاروبار میں ایمانداری و دیانت داری کا اصول اختیار کیا، متعلقین کو پسند نہیں آیا، آخر کار اسے بھی چھوڑنا پڑا، مولانا ابوبکر اصلاحی صاحب جو اس وقت جماعت کے علاقائی ذمہ دار تھے، ان کے دورے ہوتے رہتے، ان کی تحریک پر جامعۃ الفلاح بلریا گنج گئے، ابتداء نگرانی کا فریضہ انجام دیا، مطبخ کی بدنظمی دیکھ کر انہیں ناظم مطبخ بنایا گیا، ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دی، امانت و دیانت کے پیکر تھے، متعدد بار آزمائش میں

☆ امیر مقامی، جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

گھر سے اترے، کئی واقعات کا انھوں نے تذکرہ کیا، یہاں صرف ایک واقعہ کا تذکرہ مقصود ہے، اس زمانہ میں موبائل فون کا چلن نہ تھا، پی سی او کم تھا، طلباء والدین سے گفت و شنید میں پریشانی محسوس کرتے، چونکہ دفتر مطبخ میں فون تھا، بچے پریشان کرتے، ان کی پریشانی کا انھیں احساس ہوا، چنانچہ انھوں نے یہ طریقہ نکالا کہ دیکھو بچو! تم فون کرو، البتہ ایک سلپ بناؤ، اس پر اپنا نام لکھو، کتنے منٹ گفتگو ہوئی لکھو، پھر منٹ کے حساب سے کتنی رقم بنی رقم لکھ کر سلپ کے ساتھ منسلک کردو، انھوں نے ایک ڈبہ رکھا تھا، سلپ مع پیسے اس میں ڈالوا دیتے، نتیجہ یہ ہوا کہ کافی تعداد میں بچوں نے فون کیا، ایک بڑی رقم کا بل آیا، بارہ سو روپے، اس زمانہ میں بڑی رقم تھی۔ جب کہ صرف ڈیڑھ سو کا بل آتا تھا، دیکھ کر ذمہ داروں کی پیشانی پر بل پڑ گئے، کہا نگراں صاحب یہ اتنی بڑی رقم کہاں سے جمع کریں گے۔ آپ نے یہ کیا کیا؟ کہاں کہاں آپ نے فون کیا؟ انھوں نے کہا گھبرائیں نہیں، میں نے کہیں فون نہیں کیا، دیکھیں یہ ڈبہ کھولیں۔ ڈبہ کھولا گیا لوگ دنگ رہ گئے سلپ کے ساتھ پیسے ہیں، شمار کیا گیا تو بل سے زیادہ چودہ سو روپے نکلے، یہ واقعہ مولانا ابرار احمد اصلاحی صاحب ناظم اصلاح نے نگراں حفیظ احمد صاحب سے آخری ملاقات کے بعد جو وفات کے نو دن قبل ہوئی تھی، مجھے بتایا۔ دفتر نظامت میں ہیڈ محرر کی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے جامعہ سے سبکدوش ہوئے۔

پیرانہ سالی کے باوجود مقام پر جو کارنامہ انجام دیا، ہمارے لئے ایک نمونہ ہے۔ گھر جاتے ہی "وانذر عشیرتک الاقربین" کے پیش نظر اپنی اولاد اور خاندان کے افراد سے اصلاحی کام کا دست و بازو بنایا۔ ایک لڑکا (سید احمد غازی فلاحی) اور بہو اسماء غازی نے رکنیت اختیار کی۔ گاؤں کے ریٹائر پروفیسر ڈاکٹر محمد نورالحق صاحب نے جماعت کی رکنیت حاصل کی۔ اب کارکنان کی تعداد بفضلہ تعالیٰ کافی ہے۔

ان کی جماعت کے ساتھ نماز کی ادائگی ایک مثال ہے، ضعف ہے، بڑھاپا ہے، مسجد کا راستہ مخدوش ہے، کڑاکے کی سردی ہے، گرم گرم ہوائیں چل رہی ہیں، دھوپ اور تپش ہے، بارش ہورہی ہے، تقریب ہے، سب سے پہلے مسجد میں یہ بوڑھا عصا پر ٹیک لگائے پہنچتے ہے رجل قلبہ معلق فی المسجد کی زندہ مثال ہے، شاید مسجد سے اتنی لگاؤ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے زندگی کی آخری نماز بھی جماعت سے ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔

تمام نوافل کا اہتمام عنفوان شباب سے کرتے، پنجتہ صلوۃ الوضوء، صلوۃ تہجد، تحیۃ المسجد، نماز چاشت، اوابین، صلوۃ التسبیح، نماز توبہ، صلوۃ حاجت اور صلوۃ استخارہ آخر دم تک ان کا اہتمام

رکھا۔ آخرت میں جواب دہی کا احساس حد درجہ پایا جاتا۔ "قبر"، "موت"، "آخرت"، "قیامت" کے مناظر کا تذکرہ پسند فرماتے، دعا کا اہتمام فرماتے، ان کی دعاؤں میں جامعہ کے اساتذہ بھی شامل تھے۔ معاملات کے کھرے تھے، اخلاقی برائیوں سے کوسوں دور، غیبت، جھوٹ، فحش گوئی، ناجائز حمایت وطرفداری بالکل پسند نہیں کرتے، ایک دفعہ خاندان ہی کا مسئلہ پیش آیا، عدالت میں جھوٹی گواہی دینی تھی، آپ نے انکار کردیا، کہہ دیا مجرم ہو تو سزا بھگتو، والذین لا یشھدون الزور کی مثال پیش کی۔ ان کا دل صاف ستھرا تھا جیسے صاف شفاف آئینہ۔

مہمان نوازی میں یکتا تھے، اپنے رفقاء سے بڑی محبت کرتے، جامعہ سے آنے کے بعد اساتذہ کرام اور دیگر اسٹاف کا تذکرہ کرتے، ان کی خیریت معلوم کرتے، خاص طور سے مولانا عمران فلاحی صاحب، مولانا رحمت اللہ صاحب، مولانا سلامت اللہ صاحب، مولانا انعام الدین صاحب، مولانا عبدالرحمن خالد صاحب، جناب ابراہیم وکیل صاحب کا ذکر خیر کرتے۔

ہوش سنبھالتے ہی رمضان المبارک میں اعتکاف فرماتے، اس سے پہلے ان کے گاؤں میں کوئی معتکف نہ ہوا، گاؤں کے لوگ اعتکاف کی سنت سے ناواقف تھے، آپ نے اس سنت کو رائج کیا اور آخری عمر تک اس سنت پر عمل کرتے رہے۔ لوگ ہدایت پا جائیں اس کے لئے تڑپ تھی، اصلاح کی کوشش کرتے، کتابیں دیتے، پڑھواتے اور پھر ان کتابوں سے سوالات کرتے، آپ کے جامعہ سے آنے سے پہلے خواتین میں کام صفر تھا۔ انھوں نے چند خواتین کو اکٹھا کیا۔ دین، زندگی کے نصب العین اور آخرت سے روشناس کرایا، مسلسل ہفتہ واری خواتین کا اجتماع کرتے، اس کے علاوہ جماعت کے ہفتہ وار اجتماع میں نقاہت کے باوجود شرکت کرتے رہے، روزانہ حدیث کا درس دیتے، الگ سے اتوار کے روز جامع مسجد میں قرآن کا درس دیتے۔

جامعہ کے ہفتہ واری اجتماع کے موقع پر تعزیتی نشست میں موصوف کے کردار کے جو چند گوشے سامنے آئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ آپ کی طبیعت میں خودداری حد درجہ بھری ہوئی تھی، جس کی مثال آپ کا سرکاری (اسکولی) قلم ہے، جسے آپ نے کبھی ذاتی تحریر کے لئے استعمال نہیں کیا۔

☆ آپ غیر معمولی محنت و مشقت کے عادی تھے، اکثر اچانک مہمان آجاتے تو آپ بروقت مطبخ میں کھانا تیار کرواتے۔

☆ آپ نرم خو، ملنسار اور انتہائی شفیق تھے، کوئی آجاتا تو آپ اطمینان سے اس کی بات سنتے،

کبھی کبھار لوگ بے وقت آجاتے تو بھی آپ کے ماتھے پر شکن نہیں آتی۔

☆ بہترین انتظامی صلاحیت کے مالک تھے، آپ کی وجہ سے مطبخ میں سدھار آیا، کچھ دنوں تک جماعت اسلامی کے خازن کی حیثیت سے ذمہ داری ادا کی، آپ نے بیت المال کو مستحکم کیا۔ اکثر عید کے موقعوں پر مطبخ کا بجٹ متاثر ہوا، اچانک دس پندرہ اساتذہ کی دعوت کرتے اور پھر ان کی تنخواہ سے پیسے لے کر بجٹ برابر کر دیتے تھے۔

☆ زبردست ذمہ داری کا احساس آپ کے اندر موجود تھا، نہ صرف اپنی ذمہ داری بحسن و خوبی ادا کرتے بلکہ اگر کسی کو ذمہ داری دیتے تو اس وقت تک بے چین رہتے جب تک وہ کام نہ ہو جائے۔

☆ اگر ہاسٹل میں کسی طالب علم کا فون آتا تو اسے ضرور اطلاع دیتے، خواہ آدھی رات کیوں نہ گزر گئی ہو۔

☆ آپ جماعت کے رکن تھے، انھیں اپنے فریضے کا احساس ہر وقت گھیرے رکھتا، غیر مسلمین سے بھی آپ کے اچھے روابط تھے، انھیں کتابیں اور ہندی قرآن مجید اکثر پیش کرتے۔

پسماندگان میں بیوی، تین بچے، ایک بچی اور سیکڑوں سوگوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور تحریک اسلامی کو نعم البدل دے۔ آمین

☆☆☆

تعلم ما الرزية فقد مال
ولا شاة تموت ولا بعير
ولكن الرزية فقد حر
يموت بموته بشر كثير

جان لو، مصیبت نہ تو مال کا فقدان ہے اور نہ ہی اونٹ و بکری کا مر جانا، بلکہ حقیقی مصیبت آزاد انسان کا فقدان ہے، جس کی موت سے انسانوں کی ایک بڑی تعداد مر جاتی ہے۔

سوریا!......ہم حاضر ہیں

ڈاکٹر سمیر یونس ☆

اگر رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان زندہ ہوتے تو سوریا میں ہونے والے مظالم کے تعلق سے آپ ﷺ کیا کرتے؟ سوریا میں ہونے والے مظالم و واقعات کا کوئی منظر جب میں اسکرین پر دیکھتا ہوں یا اس سے متعلق کوئی خبر سنتا ہوں تو فوراً یہ سوال میرے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب میں قارئین پر چھوڑتا ہوں جسے وہ نبی اکرم ﷺ کے اس موقف سے خود ہی پالیں گے جو آپ ﷺ نے غزوہ موتہ کے وقت اختیار کیا تھا۔

غزوہ موتہ کا بنیادی سبب یہ تھا کہ سرزمین شام میں شرحبیل بن عمرو الغسانی النصرانی نے جو روم کی بیزنطینی مملکت کا حلیف تھا مبلغ رسول الحارث بن عمیرؓ کو قتل کر دیا تھا۔ ان کی شہادت کی خبر ملتے ہی نبی اکرم ﷺ نے ان کے قصاص کی خاطر اور امت کی کرامت و عظمت کو اس کے ایک فرد کے قتل کے ذریعہ جو ٹھیس پہنچائی گئی تھی، اس کی تلافی کے لئے تین ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر غزوۂ موتہ کے لئے روانہ فرمایا تھا۔

سوریا میں اہل سنت کے اشراف اور معزز افراد پر ہونے والے ظلم و ستم کی دردناک صورتیں اور مقامات مقدسہ کی بے حرمتی اور صحابہ و تابعین کے آثار و باقیات کی پامالی کو دیکھتے ہی مذکورہ بالا سوال میرے ذہن میں آیا۔

علویوں نے بوڑھوں، نوجوانوں، مردوں، عورتوں، دوشیزاؤں اور بچوں سب کو قتل کا نشانہ بنایا، کسی کو نہ بخشا۔

فرعون کے مظالم بھی مات کھا گئے

قرآن کریم نے فرعون کے مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ فرعون لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا، لیکن سوری حکمرانوں نے کسی بچے، بوڑھے اور عورت کو بھی نہ چھوڑا۔

ارشاد ربانی ہے: "ان فرعون علا فی الارض وجعل اهلها شیعا یستضعف طائفة منهم یذبح ابناء هم ویستحیی نساء هم انه کان من المفسدین" (القصص)

سوری حکمرانی کے مظالم کے منہ بولتے واقعات

پوری دنیا نے دیکھا کہ یہ لوگ مسجدوں اور تاریخی آثار کو کس طرح مسمار رہے ہیں، عثمان بن عفان کا منارہ ابھی چند ماہ پہلے ہی ڈھایا گیا ہے۔ اس منارہ کو گراتے وقت وہ کس طرح تکلف وتحوع کے مظاہر دکھلا رہے تھے، شہید بابری مسجد کے منارو کو ڈھاتے ہوئے شدت پسند بھی اس کا مظاہرہ نہ کرسکے۔ پوری دنیا نے بشار الاسد کی سرکش فوجیوں کے مظالم کے واقعات دیکھے کہ کس طرح یہ لوگ مسلمانوں کو چھری سے اس طرح ذبح کررہے تھے جس طرح بکری کو ذبح کیا جاتا ہے۔ قتل نہیں بلکہ نجر کیا جارہا تھا، ایک شہ رگ کو کاٹ کر چھوڑ دیا جاتا تاکہ تڑپتے ہوئے موت کو گلے لگائے۔

لاذقیہ کی رہنے والی معصوم بچی "علا الجباوی" کے قتل کا منظر میری آنکھوں سے جدا نہیں ہو رہا ہے کس طرح ان ظالموں نے اس کی آنکھوں میں گولی مار کر اسے قتل کر دیا۔ "واذا الموءدة سئلت بای ذنب قتلت" (التکویر) اور جب زندہ در گور کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کس جرم میں اسے قتل کیا گیا۔

حمص، حماۃ، ادلب اور سوریا کے تمام ہی شہروں اور دیہاتوں نے اپنے شہید معصوموں کے نعشوں کو بے رحم اور سنگدل علویوں کے ہاتھوں تذلیل ہوتے ہوئے دیکھا۔ بشار الاسد کے وفاداروں نے سابق ظالم حافظ الاسد کے اس عمل کو اسوہ بنایا ہے جو اس نے فروری ۱۹۸۲ء میں اہالیان حماۃ کے ساتھ کیا۔ اس نے اس شہر کا محاصرہ، جنگی جہازوں، بکتر بند گاڑیوں اور میزائلوں سے کیا جس کے نتیجہ میں تیس ہزار سے زائد مسلمان شہید ہوگئے۔ فلسطین میں ظالم صیہونی بھی قبضہ سے لے کر اب تک اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کو قتل نہ کرسکے۔

نبی اکرم ﷺ کے نزدیک سوریا کا مقام

متعدد صحیح احادیث میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے شام کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی ایک بار آپ ﷺ نے یوں دعا مانگی: "اللھم بارک لنا فی شامنا" اے اللہ ہمارے ملک شام میں برکت عطا فرما۔ دو بار آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا اور پھر تیسری بار کہا: اس ملک میں زلزلے اور فتنے اٹھیں گے اور شیطان کے وسوسے یہیں زیادہ سر اٹھائیں گے۔ (متفق علیہ)

چند سالوں تک شام خیر و برکت سے محروم تو رہ سکتا ہے لیکن ہمیشہ رہے ایسا ممکن نہیں۔ اس کی برکت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ آپ ﷺ اپنے رب کی دعوت پر اسراء ومعراج کے موقعہ پر یہاں تشریف لے گئے اور بیت المقدس میں انبیاء کی امامت فرمائی اور اس طرح پوری دنیا کی قیادت وسیادت کا منصب سنبھالا۔ "الشام ارض المحشر والمنشر" شام کی زمین ہی ارض محشر

ہوگی۔ (اخرجہ السیوطی وصححہ الالبانی)

آخری زمانہ میں عیسٰی علیہ السلام جامع اموی دمشق کے مشرقی گنبد کے پاس اتریں گے اور وہیں "لد" کے مقام پر دجال کو قتل کریں گے اور یہیں ہمیں اکٹھا کیا جائے گا اور حساب وکتاب ہوگا۔

ہائے رے سوریا!

سوریا..... کتنا خوبصورت، کتنا حسین، کتنا قدیم اور کتنا عظیم ہے یہ میرا ملک۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ یہیں سے مسلم فوجیں عہد اموی میں مشرق ومغرب تک روانہ ہوئیں۔ یہاں تک کہ دنیا کی عظیم ترین حکومت وجود میں آئی جس کی سرحدیں فرانس سے چین تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہیں سے اسلام یوروپ، افریقہ اور سندھ و ہند میں پھیلا اور یہیں سے مسلمانوں نے مصر کے تعاون سے عماد الدین زنگی، نور الدین محمود اور صلاح الدین ایوبی کے عہد میں صلیبی قوتوں کو منہ توڑ جواب دیا اور اسلامی شہروں اور مقامات مقدسہ کی حفاظت فرمائی۔

نبی اکرم ﷺ کی شام ومصر کے ساتھ بھلائی کی وصیت گویا ان ملکوں کی مدد ونصرت کی جانب اشارہ ہے کیونکہ ان ملکوں کی ترقی سے پوری امت مسلمہ کی ترقی وابستہ ہے۔

یہ بات حد درجہ تکلیف دہ ہے کہ سوریا فرانسیسی استعمار سے نکل کر نصیری استعمار کے قبضہ میں چلا گیا۔ سوریا کے موجودہ حکمران شیعوں کے ایک گمراہ فرقہ "نصیریہ" سے تعلق رکھتے ہیں جو اقلیت میں ہیں لیکن فرانس نے اپنے قبضہ کے دوران ان کی ہر طرح کی مدد فرمائی اور ملک سے نکلتے وقت اقتدار کی کنجیاں ان کے حوالے کردیں۔ نصیریہ کا بانی نصیر الدین الطوسی ہے جس نے چھٹی صدی ہجری میں ایک نیا دین ایجاد کیا اور ایک بڑی تعداد نے اس کی پیروی کی۔ سقوط بغداد میں اس کا اہم رول رہا ہے، اس نے اسلامی حکومت کے خاتمہ کے لئے ہلاکو کا بھرپور تعاون کیا تھا۔ یہ لوگ حضرت علی بن ابی طالبؓ کو خدا مانتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالٰی ان کے اندر حلول کر آیا تھا اور بجلی کی کڑک ان کی آواز اور اس کی چمک ان کا کوڑا ہے اور ان کا مسکن بادل ہے۔ اسی لئے یہ لوگ بادل کو گزرتے ہوئے دیکھ کر کہتے ہیں: "السلام علیک یا امیر المومنین" (اے امیر المومنین! آپ پر سلام) ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے یہ مسلمان نظر آتے ہیں لیکن ان کے عقائد خراب اور حد درجہ قابل تشویش ہیں۔ اس گروہ نے ہر عہد میں سنی علماء کو اپنا نشانہ بنایا اور بدعات ومنکرات کو فروغ دیا۔ بروقت سوریا میں یہی لوگ ہیں جو بچوں اور عورتوں کو قتل کر رہے ہیں اور یہ گمان کر رہے ہیں کہ دنیا حقائق سے بے خبر ہے۔ درانحالیکہ کیمرے اور فضائی جہاز ہر چیز اور ہر واقعہ کی منظر کشی عالمی پیمانے پر پہونچا رہے ہیں۔

اہل سوریا کو ایک پیغام

تم لوگوں نے دنیا کو بہت کچھ دیا ہے جس پر امت کو فخر و ناز ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ آزادی کے ایام بہت دور ہیں، ہرگز نہیں۔ لیکن انقلاب لمبے صبر کا حاجتمند ہے۔ کیونکہ بلندی کا راستہ پرخطر اور کامیابی کا راستہ قربانیوں کا خواستگار ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ دردِ زہ تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن اس کے معاً بعد پیدائش وجود میں آتی ہے۔ خوش ہو جاؤ، تم لوگوں نے زیادہ تر راستہ طے کر لیا ہے کیونکہ خوف و دہشت پر تم لوگوں نے غلبہ پالیا ہے اور یہ تمہارے مبارک انقلاب کا اہم ترین پیش خیمہ ہے۔

اے ہمارے سوری بھائی تم لوگ کامیاب ہو گئے ہو، اگرچہ بشار الاسد نے ابھی کنارہ کشی اختیار نہیں کی ہے اور نظام تمہارے سینوں پر راسخ ہے، لیکن پھر بھی تم لوگ کامیاب ہو گئے ہو کیونکہ تم لوگوں نے بندگی اللہ کے لئے خاص کر دی ہے۔ تو خوش ہو جاؤ کیونکہ اللہ نے اپنے بندوں کے ساتھ نصرت و مدد کا وعدہ فرمایا ہے: "وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون" (سورۃ النور)

میرے ایک دوست نے مجھ سے یہ قصہ بیان فرمایا کہ ایک عرب ملک میں ان کی ملاقات ایک شیخ سے ہوئی۔ جب انھیں گرفتار کیا گیا اور پولیس والوں نے پوچھا کیا ہم تمہیں صیہونی طریقہ پر عذاب دیں یا سوری طریقہ پر؟ تو انھوں نے بلا تردد و توقف کے جواب دیا: میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ صیہونی طریقہ پر۔ کیونکہ انھوں نے سوری تعذیب کے بارے میں سن رکھا تھا کہ وہ لوگ اس طرح سزا دیتے ہیں جس کی فظاعت و شناعت کا کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

سوریا کا عجیب و غریب انقلاب

مجھے یہ واقعہ یاد آرہا ہے کہ مصری انقلاب کے فوراً بعد ایک سوری دوست کی مجھ سے ملاقات ہوئی، اس نے مجھے مصری انقلاب پر مبارکباد پیش کی۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا سوری ساتھی بھی تھا۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو برکت سے نوازے، بہتر انجام آپ لوگوں کے لئے ہو (ابھی سوری انقلاب کا آغاز نہیں ہوا تھا) اس پر دونوں ساتھی فی الفور اس جگہ سے روانہ ہو گئے اور کسی نے بھی اس پر ایک لفظ بولنا گوارہ نہ کیا۔

پوری سوریا پر یہی فضا چھائی ہوئی ہے کیونکہ وہاں کا نظام حد درجہ سرکش ہے اور جاسوسی کا نظام اس قدر وسیع ہے کہ لوگ سیاسی نظام کے خلاف ایک لفظ بھی بولنے کو تیار نہیں ہیں۔ صورتحال یہ

ہے کہ شوہر کو اپنی بیوی سے اور بھائی کو اپنے بھائی سے جاسوسی کا خطرہ ہے۔

شام کی سیاسی فضا کسی انقلاب کا پتہ نہیں دے رہی تھی اس لئے انقلاب کی خبر سن کر بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ یہ اللہ کی کارگری ہے۔

اے اہل سوریا! ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی مدد فرمائے، غلبہ و نصرت سے ہمکنار کرے۔ اے سلیمان الحلبی اور عزالدین القسام کے جانشینوں! بشار کا سیاسی ڈھانچہ تمہارے سامنے گرنے ہی والا ہے، اسے ہرگز طاقتور نہ گمان کرو۔ تم لوگوں نے اپنی کوششوں سے اس کے ناقابل تسخیر قلعہ ہونے کی قلعی کھول دی ہے۔ کہاں تھا یہ سوری نظام جب صیہونی جہازوں نے ۲۰۰۳ء میں دمشق کے جنوبی حصہ پر بمباری کی اور کیا کر لیا اس نظام نے جب ۲۰۰۷ء میں تمہارے ایٹمی مرکز پر اسرائیل نے بمباری کی تھی۔ ہر بار صرف یہی کہتا رہا: مناسب وقت پر جواب دیں گے اور ابھی تک وہ مناسب وقت نہیں آیا۔ اے بشار کے وفادارو! کیا تم لوگوں نے گولان کی ان پہاڑیوں کو واپس لینے کے لئے جس پر اسرائیل نے ۱۹۶۷ء میں قبضہ کر لیا تھا کوئی عملی جدوجہد کی۔ نصیری نظام نے یہ پوری قوت صرف اہل ایمان ملک کو مارنے کے لئے اکٹھا کی تھی۔

اے اہل سوریا! ثابت قدم رہو۔ انقلاب کے جھنڈے کو بلند رکھو۔ تم نے صرف اللہ کے لئے اس انقلاب کا آغاز کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور ہرگز وہ تمہارے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا۔

امت مسلمہ کے نام پیغام

اے امت قرآن! اے امت اسلام! اے اہل عرب! سوریا کے مسئلہ کو اپنے دلوں میں دفن مت ہونے دینا۔ اسے اپنے دلوں میں، گھروں میں، اپنی عورتوں اور بچوں اور دوستوں کے دلوں میں اور اپنے دائرہ عمل میں اور اپنی مجلسوں میں زندہ رکھو۔ اس پر اپنی بھرپور توجہ مبذول کرو۔ انٹرنیٹ کے ذریعہ اس کا دفاع کرو، ہر اجتماعی موقعہ کو اس کے لئے استعمال کرو۔ اپنی گفتگو میں اس کو تازہ رکھو تاکہ مظلومین سے ظلم کے ازالہ کے لئے عوامی لہر پیدا ہو سکے۔ سوری نظام نے اہل سوریا کو پانی، بجلی اور کھانے اور زندگی کے ہر محدود ذریعہ سے محروم کر رکھا ہے بلکہ ظالم پولیس والے ماہ رمضان میں قیدیوں کے سامنے افطار کرتے تھے اور انھیں افطار سے محروم رکھتے تھے۔

اے عربی قبائل! نظام کی تبدیلی کے بعد کون نظام کو سنبھالے گا، اس مسئلہ پر اپنے آپ کو مشغول کرنے کے بجائے سوریا میں اپنے اہل وعیال کے احوال وکوائف پر غور کرو اور ان کے مسائل پر سوچو۔ تبدیلی سیادت کا معاملہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے: "وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم" (سورۃ محمد) ☆☆☆

لمحۂ بیداری

عبدالحمید البلالی☆

تاریخ اسلامی کے زیادہ تر ستارے خواہ وہ زہد وتقوی کے شہسوار رہے ہوں یا دوسرے اسلامی علوم وفنون کے ماہرین، ان کی اقبال مندی کا آغاز اس عمومی غفلت سے بیداری کے بعد ہی ہوا ہے جو ان کی زندگی کا محور تھی۔ زندگیوں میں بیداری کا یہ لمحہ عطیہ خداوندی اور رحمت الٰہی کا ایک مظہر ہے۔ جو عموماً کسی آسمانی تنبیہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے، لیکن اس سے استفادہ عقلمند ہی حاصل کر پاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس تنبیہ کو تہذیب وتمدن اور تاریخ کے افق پر روشن ستارے کے مانند چمکنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

یہ خدائی تنبیہ کبھی وہ حادثہ ہوتا ہے جس سے انسان نجات پا جاتا ہے یا مہلک اور جان لیوا بیماری یا وہ سخت کلمہ جو اس کے نفس کو ہلا کر رکھ دیتا ہے جسے وہ کسی ناصح دوست یا عالم یا والدین میں سے کسی ایک سے یا کسی اور سے سنتا ہے۔ یا وہ خواب جو اس کی زندگی کے رخ کو موڑ دیتا ہے اور کبھی تجارت میں واقع ہونے والا عظیم نقصان یا اس کی کسی خیانت کا انکشاف یا کوئی عظیم آفت بھی اس کو خواب غفلت سے بیدار کر کے راہ عمل پر لگا دیتی ہے اور اس طرح یہ آفت اس کے لئے وہ عظیم نعمت بن جاتی ہے کہ ہماری انسانی تاریخ میں اس کے چمکنے کا سبب بن جاتی ہے۔

یہ غفلت جو بیداری کے مرحلے سے پہلے ہوتی ہے، اس کا گناہ ہونا ضروری نہیں بلکہ کبھی یہ مقصد حیات کا غلط تصور یا فرائض سے راہ فرار بھی ہو سکتی ہے جیسے کوئی انسان اس دنیا میں اس طرح زندگی گزارے کہ رزق کی تلاش اور لذات کے حصول کے علاوہ اس کے سامنے کوئی اور مقصد ہی نہ ہو مقصد حیات یعنی بندگی رب کی فکر سے بالکل خالی ہو اور اس کے نظام حیات میں اس کے لئے کوئی لمحہ ہی نہ ہو۔

☆☆☆

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

حسینہ بیگم / سندر کماری☆

دیانگر کے مہاراجہ ان چند والیان ریاست میں سے تھے جو وضع داری اور تعلیم کے بظاہر متضاد اوصاف کے حامل تھے، ان کے مذہب کو علوم جدیدہ کی روشنی نے کوئی صدمہ نہیں پہنچایا تھا، لہٰذا ان کے لئے نہایت آسان تھا کہ شیلے اور کیٹس کی نظموں کا مطالعہ کرنے کے بعد مندر میں جا کر بت پرستی کریں۔

وہ ویدانت کے عمیق فلسفہ کو اوہام پرستی کے منافی خیال نہیں کرتے تھے اور اسپنسر اور بریڈلے کے مقالات پڑھ کر بھی جاترک کے حامی تھے، ان کی اکلوتی بیٹی سندر کماری تھی، جو اپنے نام کی تفسیر تھی حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی شامل تھا، مجسمہ حسن ومعصومیت، جہاں پہنچتی تھی اپنی شعلہ افروز نگاہوں سے لوگوں کے خرمن دل کو جلا دیتی تھی۔

یہ مجسمہ حسن ایک باہوش راج کمار کے قلب کی تسکین کا سامان ہوئی اور شادی کی مقدس زنجیر کی بدولت اس سے وابستہ ہوگئی، شہزادہ بھی قسمت سے ویسا ہی ملا جیسا ملنا چاہئے تھا، حسین، شریف، سمجھدار اور مخلص، اس کا دل محبت سے لبریز تھا اور سندر کماری کے دل کے جذبات کو بھی سمجھتا تھا، دونوں کو ایک دوسرے کی بدولت جنت حاصل تھی، ان کی چھوٹی سی دنیا میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

مگر یہ کب ہوا ہے کہ دونوں کو راحت نصیب ہوئی ہو اور تفرقہ پرداز فلک چین سے بیٹھا ہو؟ راج کمار اور سندر کماری اسی دنیا کے فانی انسان تھے، یہ بھی ان قوانین ابدی کے ماتحت تھے جن سے کسی کو چارہ نہیں، غرض سندر کماری کو راج کمار کی فرقت کا صدمہ سہنا پڑا اور قدرت نے اس کے محبوب شوہر کو اس سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔

سولہ برس کی سن میں ایک پیکر حسن وجمال کی بیوگی اور پھر ہندو قانون کے مطابق اس کا مدت العمر ایک زہرہ گداز سانحہ کے رنج والم کے لئے وقف ہو جانا، اب حالت یہ ہے کہ سندر کماری کو دنیا کی کسی چیز سے رغبت نہیں ہے، وہ زیب وزینت جو نسوانی حسن کا تتمہ ہے اس کے جسم سے

ناآشنا ہے، وہ راحتیں جو جوانی کے لئے پیدا ہوتی ہیں وہ اس سے کوسوں دور ہیں۔ اس کے دل کی روشنی تاریکی سے تبدیل ہوگئی اور اب تمام دنیا اس کی نظر میں اندھیری ہے، وہ اکثر کہتی ہے اور سچ کہتی ہے کہ کاش میں مرجاتی مگر موت کی آرزو کا پورا ہونا آسان نہیں، آرزو جس چیز کی بھی ہو، مدعا کے حصول کو دشوار بنادیتی ہے۔

وہ غم جو گلا گھونٹتا ہے اور دل میں دھواں پیدا کرتا ہے، اکثر انسان کو دنیا کی طرف سے مایوس کرکے ان ابدی حقیقتوں کی طرف متوجہ کردیتا ہے، جن کو ہم روحانیت یا مذہب کہتے ہیں، روح دنیا کی مسرتوں سے بیزار ہوکر ان مسرتوں کے اکتساب کی تلاش میں گم ہوجاتی ہے جن کو فنا نہیں۔ سندر کماری نے بھی دنیا کی طرف سے بیزار ہوکر مذہب کی طرف رجوع کیا اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ اپنا گھر چھوڑ کر بنارس روانہ ہوگئی، اس کے ضعیف باپ نے ہر چند کوشش کی کہ اسے کچھ دولت دیدے کہ وقت پر کام آئے یا کچھ اور ایسا بندوبست کردے کہ اسے تکلیف نہ ہو، لیکن اس نے قبول نہ کیا اور کہا "میں دھرم کے لئے باہر نکلی ہوں بھگتی میں مایا کا کیا کام؟"

راجہ صاحب کو مجبور ہونا پڑا، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ ان کی بیٹی کا ارادہ کس قدر مضبوط ہے، اس کے علاوہ اس کے مذہبی ارادوں میں خلل ڈال کر اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں چاہتے تھے۔

دنیا کی وہ مقدس چیزیں جو ہمیں دور سے بہت دل فریب نظر آتی ہیں، مکروہ اور خراب ہوتی ہیں، کتنے راہب ایسے ہیں جو فی الحقیقت راہب ہوں اور کتنے ہادی واقعی ہدایت کا کام کرتے ہیں؟ جب سندر کماری بنارس پہنچی تو اسے بھی ان تلخ حقیقتوں کا احساس ہوا، اس کے رنج والم نے اس کی فطری کشش کو کم نہ کیا تھا، اس کو ظاہر فریب حسن اب بھی تارک الدنیا راہبوں تک کو اپنا گرویدہ بنالیتا تھا، وہ بنارس جاتے ہی ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہوگئی، اس دنیائے تقدس میں جہاں گناہ کا نام لینا بھی گناہ تھا سندر کماری کو ہر در و دیوار سے گناہ کی آواز آنے لگی، وہ حیران تھی کہ میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں، اس زمین میں جہاں دنیاوی کثافتوں سے بالاتر ہونے کی آرزو مند ہوں، میرا امتحان اس قدر شدید کیوں لیا جاتا ہے، کیا دنیا نیکوں سے خالی ہے؟ کیا تقدس و رہبانیت کا خاتمہ ہوگیا؟ کیا کوئی شخص ایسا نہیں جو اسے صحیح صحیح ہدایت کرے اور مجھے وہ راستہ دکھاسکے جہاں میں پہنچ کر تمام دنیا کو فراموش کردوں؟

ایک روز اسی خیال میں مستغرق گنگا کے کنارے ایک تنہا مقام پر بیٹھی تھی، اس کی آنکھوں میں کاشی میں آنے کے بعد سے اس وقت کے تمام نظارے پھر آگئے، اکثر پنڈتوں کی بداخلاقی اور

اس کی عصمت کے شدید خطرے میں پڑ جانے کے وہ تمام واقعات اس کی نظر کے سامنے آگئے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ان پجاریوں کے مقدمہ کی بھیانک تصویر بھی آگئی جو معصوم عورتوں کو تہ خانہ میں رکھتے اور ان کی عصمت پر ڈاکہ ڈالتے اور ناجائز بچوں کے مار پھینکنے کے ہولناک جرائم میں ۱۹۰۳ء میں گرفتار ہوئے تھے، اس مقدمہ میں بنارس کے ایک تہ خانہ میں سے تقریباً ستر بچوں کی کھوپڑیاں نکلی تھیں جن کو چھپانے کے لئے مار کر وہاں ڈال دیا گیا تھا، اس نے اپنے قلب کی حالت کو دیکھا اور اس پر یہ حقیقت اور بھی واضح ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ اسے بہت اچھی طرح عبادت کرنی چاہئے، شاید اس سے مجھے اپنے نفس پر قابو حاصل ہوجائے اور میں فطرت کے مقابلہ میں کامیاب ہوسکوں، لہٰذا وہ تمام مندروں میں گئی اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعائیں مانگیں کہ دیوتا اسے قدرت پر نہ سہی کم از کم اس کے نفس پر اسے فتح دلادیں۔ یہ عمل ایک عرصہ تک جاری رہا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا اور سندر کماری کے شکوک وشبہات ترقی ہی کرتے رہے، ایک دن وہ مندر سے نکل رہی تھی، اس نے دیکھا کہ ایک غریب آدمی مندر میں جانا چاہتا ہے لیکن کوئی اسے گھسنے نہیں دیتا، جب اس نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اچھوت ہے اور اگر وہ اندر گھس آیا تو مندر ناپاک ہوجائے گا، اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ بے چارہ انسان کیا ان دیوتاؤں کو ماننے والا نہیں، پھر دیوتا کے پجاری اسے اپنے معبود تک کیوں نہیں جانے دیتے؟

اس نے قریب جاکر اس شخص سے پوچھا "تو کون ہے؟" اس نے کہا "میں ایک غریب آدمی ہوں، میں دیوتا کے درشن کرنا چاہتا ہوں، لیکن مجھے گھسنے نہیں دیا جاتا کہ میرے جانے سے مندر ناپاک ہوجائے گا۔"

سندر کماری نے پوچھا: کیا تم انسان نہیں ہو؟

اس نے جواب دیا: میں انسان ضرور ہوں لیکن پنڈت کہتے ہیں کہ میرے چھونے سے ہر چیز خراب ہوجاتی ہے، جس کھانے کو میں چھو لیتا ہوں اور جس پانی کو میں پی لیتا ہوں حتی کہ جس چیز پر میرا سایہ بھی پڑ جاتا ہے وہ بھی ناپاک ہوجاتی ہے۔

سندر کماری زیادہ نہ سن سکی، وہ خیالات میں ڈوب گئی اور وہاں سے چلی گئی، چاندنی رات کی روشنی میں بنارس کی عالمگیری مسجد نے ایک خاص دلآویزی اختیار کرلی تھی، اس کے بلند میناروں پر ایک سکوت کا عالم طاری تھا اور اس کے گنبدوں کا شکوہ اور بڑھ گیا، سندر کماری کھڑی ہوئی، اس نظارہ کو دیکھ رہی تھی اور تعجب کررہی تھی کیا یہ عمارت بھی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں کا ویسا ہی مرکز ہے

جیسا دوسرے معابد میں دیکھ چکی ہوں، وہ جانتی تھی کہ دنیا کی آبادی کا ایک حصہ مندروں سے علاحدہ ہے اور مسجدوں میں جا کر عبادت کرتا ہے، اب اس کے دل میں یکا یک یہ خیال آیا کہ اس کے اندر عبادت کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے اندر کس کی عبادت ہوتی ہے؟ کیا اس میں وہ لوگ جمع ہوتے ہیں جو میری طرح مندروں سے بیزار ہیں ان خیالات میں مستغرق اپنے وجود سے بے خبر اس جگہ کھڑی رہی اور سوچتی رہی کہ یکا یک اس نے اذان کی آواز سنی تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا ایک صفائی کرنے والا جھاڑو رکھ کر زینہ پر چڑھا اور مسجد میں داخل ہو گیا، سندر کماری کے دل میں خیال پیدا ہوا، اب لوگ اس کو روکیں گے، لیکن اسے کسی نے بھی اندر جانے سے منع نہ کیا، سندر کماری حیران ہوئی اور وہ بھی مسجد میں داخل ہو گئی اور صحن کے گوشہ میں بیٹھ گئی۔ حلال خور نے مسجد میں وضو کیا اور نماز میں شریک ہو گیا، سندر کماری نے خیال کیا کہ لوگوں نے اسے پہچانا نہیں ہے، اگر میں بتادوں تو یہ مسجد سے نکال دیا جائے گا، وہ ہمت کر کے اٹھی مسجد کے اندر گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بلند آواز سے کہا یہ اچھوت ہے اور میرے سامنے جھاڑو دے رہا تھا، اس نے مسجد کو خراب کر دیا، حلال خور نے کہا میں مسلمان ہوں، مسلمانوں نے اس سے کچھ نہ کہا، بلکہ سندر کماری کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تو کون ہے جو اس شخص کو روکتی ہے؟ وہ حلال خور ضرور ہے مگر ہمارا بھائی اور خدا کا پرستار ہے، وہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتا ہے، اس میں کسی قسم کا حرج نہیں کیونکہ اسلام ایک فطری مذہب ہے، اس میں جو شخص داخل ہوتا ہے وہ بھی پاک ہو جاتا ہے۔ سندر کماری کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اس نے دل میں سوچا کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جو اچھوتوں کو برا نہیں سمجھتے، لہٰذا اس نے اور جرأت کی اور ایک سفید پوش بزرگ کے پاس گئی جو امام تھے وہ بولی:

''مسجد کے پجاری مجھے اپنا دیوتا دکھاؤ، جو سب آدمیوں کو برابر سمجھتا ہے اور کسی سے نفرت نہیں کرتا۔''

انھوں نے کہا: اس مسجد کے دیوتا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا، وہ ہر شخص کے دل میں ہے، صرف عبادت سے نظر آتا ہے، وہ ہر چیز کا مالک ہے، دنیا کی کوئی چیز اس کے قبضہ سے باہر نہیں، وہ ایک ہے، نہ اس جیسا کوئی ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ تو کون ہے جو خدا کو دیکھنا چاہتی ہے؟

سندر کماری: بزرگ انسان کیا تم اسے پوجتے ہو جسے تم نے کبھی نہیں دیکھا؟

امام صاحب: ہاں وہی ایک پرستش کے قابل ہے۔ جس کا ہر چیز پر قابو ہے اور وہ اپنے وجود کے لئے کسی کے دیکھنے کا محتاج نہیں۔

سندر کماری: کیا وہ میرے دل کو گناہ سے پاک کر دے گا؟

امام صاحب: اس میں سب طاقت ہے۔

جس طرح کوئی تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجاتا ہے اور یکا یک روشنی کو دیکھ کر اس کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہے، اسی طرح راج کماری نے اس مقدس انسان کی پاک نظروں میں کچھ دیکھا اور حیران رہ گئی لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے کہا مجھے اپنے پاس رکھو اور اپنے خدا کی باتیں مجھے بتاؤ، مجھے تمہاری باتوں سے بہت اطمینان حاصل ہو رہا ہے، امام صاحب نے اس سے کہا تو اپنے عزیزوں سے اجازت لے لے، اگر وہ اجازت دیں تو یہاں آکر مجھ سے پوچھ لیا کر، میں کسی اجنبی عورت کو بلا اجازت اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا، سندر کماری نے کہا: مجھ بدنصیب کا یہاں کوئی نہیں ہے، مجھے آپ کے چہرہ میں تقدس کی چمک معلوم ہوتی ہے؟ جوں جوں میں اس پر نظر ڈالتی ہوں مجھے یقین ہو رہا ہے کہ آپ میں کوئی روحانی کشش ہے، اس لئے مجھے یقین ہے کہ تم مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح رکھو گے اور میرے شکوک رفع کر کے مجھے اطمینان و نجات کا راستہ دکھاؤ گے۔

سندر کماری اب امام صاحب کے ساتھ رہنے لگی، وہاں اس کے ساتھ عزیزوں کا سا برتاؤ ہوا، امام صاحب کی بہو بیٹیاں اسے بہن کہتی تھیں اور وہ یہ محسوس کرتی تھی کہ وہ ایک نئی دنیا میں آگئی ہے، آہستہ آہستہ اس نے توحید کا سبق سیکھا اور اس کے بعد اسلام کی مساوات اور مسلمانوں کے اخلاق کی گرویدہ ہو گئی، بالآخر اس نے ایک دن قبول اسلام کی تمنا کی اور اپنی خوشی سے خدائے واحد کی پرستار ہو گئی، اس نے یہ اصول بھی معلوم کیا کہ اسلام دین فطرت ہے، وہ کسی مرد و عورت کے خلاف تجرد آزمائی پر مجبور نہیں کرتا، چنانچہ ایک دن جب اسے امام صاحب کی بیوی نے نکاح کی تلقین کی تو وہ ان کے الفاظ سن کر حیرت میں رہ گئی، اس نے کہا:

ہمارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے جو بھی اس سنت سے منھ پھیرے گا وہ ہم میں سے نہیں۔

سندر کماری کو ایک سادھو کے الفاظ یاد آئے کہ ''فطرت کے خلاف جنگ ناممکن ہے۔'' اور وہ عمیق خیالات میں کھو گئی، جب راجہ دیا کر کو بیٹی کی خبر ملی تو وہ خود بنارس آئے اور انھوں نے بیٹی کو تلاش کیا، اس وقت تک وہ مسلمان ہو چکی تھی، راجہ صاحب پر اس کا گہرا اثر ہوا لیکن شفقت پدری غالب آئی اور وہ اس سے محبت سے ملے، سندر کماری نے انھیں اس معقول طریقہ سے تمام باتیں سمجھائیں اور اس طرح آپ بیتی سنائی کہ وہ بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

سندر کماری جواب حسینہ بیگم ہے، اسلامی شریعت کے مطابق اپنے باپ کی جائداد کی مالک ہوئی اور اس کا عقد باپ کی مرضی کے موافق ایک سید زادہ بیرسٹر سے کیا گیا، شادی کے موقع پر راجہ صاحب نے بہت سارو پیہ اسلامی تحریکات خصوصاً تبلیغ کی امداد کے لئے دیا اور خصوصی جائداد اس کے لئے وقف کردی کہ حضرت شہنشاہ عالمگیری کی روح کو ثواب پہنچانے کا اہتمام کیا جائے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ بنارس کی عالمگیری مسجد میں نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے لئے مدرسہ کھولا جائے نیز نومسلم عورتوں کے لئے ایک آشرم بنایا جائے جس کی نگرانی حسینہ بیگم (سابق سندر کماری) کریں گی۔ (بشکریہ: ضیائے حرم، لاہور)

جامعۃ الفلاح میں گولڈن جبلی تقریبات کی تیاریاں زوروں پر

امام حرم کے خطبۂ جمعہ کے ذریعہ افتتاح کی توقع

ماہ نومبر میں جامعہ کے قیام کے پچاس سال مکمل ہو رہے ہیں، جس کی مناسبت سے اپنی پیش رفت اور کارکردگی پر اظہار تشکر اور احتساب و جائزہ کے لئے سہ روزہ گولڈن جوبلی ۱۶ تا ۱۸ نومبر ۲۰۱۲ء منعقد ہونے جارہی ہے۔ اس کی تیاریاں دو ماہ قبل ہی سے شروع ہو چکی ہیں۔ پروگرام کے آرگنائزر مولانا مقبول احمد فلاحی بنفس نفیس ان تیاریوں کی بھرپور نگرانی کر رہے ہیں۔ گولڈن جوبلی کے انعقاد کے مقاصد یہ ہیں کہ عصری تقاضوں کے تناظر میں مدارس کے نظام تعلیم و تربیت کا تجزیہ کیا جائے، جامعہ کا ہمہ جہتی تعارف اور مقاصد جامعہ کے پس منظر میں پیش رفت کا جائزہ لیا جائے، مستقبل کی منصوبہ بندی اور چند عملی اقدامات کا اعلان کیا جائے، دور حاضر کے علمی و تعلیمی چیلنجز اور ان کے تقاضوں کی تکمیل کی راہیں تلاش کی جائیں اور تعلیمی نظام کی ثنویت کو ختم کرنے اور علم نافع کے اصول پر نئے نظام تعلیم کی تشکیل و تنفیذ کی کوشش کی جائے۔

اس موقع پر جامعہ کی تاریخ اور فلاحی برادران کی قرآنی، تعلیمی و تدریسی، تصنیفی، دعوتی و تحریکی، ملی اور سیاسی و سماجی خدمات پر مشتمل کتابوں کا اجرا بھی پیش نظر ہے۔ فارغین کی خدمات پر مشتمل کتاب کی ترتیب کی ذمہ داری جامعہ کے ایک فاضل استاذ مولانا محمد اسماعیل فلاحی کے سپرد کی گئی ہے، مولانا اپنی ذمہ داری کی تکمیل میں پوری تندہی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے فلاحی حضرات سے رابطہ کر رہے ہیں۔

اس سہ روزہ گولڈن جوبلی کے موقع پر اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ اب تک کے تمام فارغین و فارغات یکجا ہو کر مادر علمی سے اپنی وابستگی اور اس کی تعمیر و ترقی کے حوالے سے اپنے کردار کا جائزہ لیں۔ ملک و بیرون ملک کے ان تمام بہی خواہوں اور محسنین کو دعوت نامے بھیجے جا رہے ہیں جن کی نیک تمناؤں اور ہمہ جہتی تعاون ہی سے جامعہ آج اس مقام پر فائز ہے تاکہ وہ بذات خود تشریف لا کر اپنے خوابوں کی عملی تعبیر کا مشاہدہ کر سکیں۔ امام حرم کی خدمت میں دعوت نامہ بھیجا جا چکا ہے، قوی امید ہے کہ منظوری مل جائے گی اور ان کے خطبہ جمعہ کے ذریعہ پروگرام کا افتتاح ہوگا۔

اعجاز احمد قاسمی
معاون کنوینر شعبہ نشر و اشاعت، گولڈن جوبلی تقریبات
جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی)

صابئہ مندائیہ (۳)

ابوارقم فلاحی ☆

صابئہ کے اہم تیوہار

۱- عید کبیر: اس کو وہ "عید ملک الانوار" بھی کہتے ہیں، اس دن وہ لوگ اپنے گھروں میں ۳۶ گھنٹہ اعتکاف میں بیٹھتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کی آنکھیں نہ جھپکنے پائیں تاکہ وہ احتلام کا شکار نہ ہو سکیں، کیونکہ احتلام سے ان کی خوشی کافور ہو جاتی ہے۔ اعتکاف کے فوراً بعد وہ بپتسمہ کی رسم ادا کرتے ہیں۔ یہ تیوہار چار دن رہتا ہے جس میں خرگوش اور مرغیوں کو ذبح کیا جاتا ہے اور اس دوران وہ کوئی دنیاوی کام انجام نہیں دیتے۔

۲- عید صغیر: عید کبیر کے ۱۱۸ دنوں کے بعد محض ایک دن کا یہ تیوہار ہے، جس میں ایک دوسرے کی زیارت کی جاتی ہے اور بسا اوقات تین دنوں تک جاری رہتا ہے۔

۳- عید پنجہ: پانچ دنوں پر مشتمل یہ تیوہار عید صغیر کے چار مہینہ بعد آتا ہے۔ ان پانچوں کے ذریعہ

۴- عید یحییٰ: مقدس ترین اور ایک دن کا یہ تیوہار یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی مناسبت سے منایا جاتا ہے، جسے وہ اپنا مخصوص نبی مانتے ہیں۔ یہ تیوہار عید پنجہ کے دو ماہ بعد منایا جاتا ہے۔

صابئہ کی اہم آبادیاں

صابئہ مندائیہ عراق میں دریائے دجلہ و فرات کے نشیبی ساحل پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اہواز اور شط العرب کے علاوہ عمارہ، ناصریہ، بصرہ، قلعہ صالح، حلفایہ، زکیہ، سوق الشیخ اور دریائے دجلہ و فرات کے سنگم جسے "قرنہ" کہا جاتا ہے، کے علاوہ موصل، کرکوک، شرش اور حیاتش اور سلیمانیہ کے علاقوں میں بھی ان کی آبادیاں ہیں۔

عراق کے علاوہ ایران میں نہر کارون اور دریائے دز کے علاوہ ایران کے ساحلی شہروں

میں بھی یہ آباد ہیں جیسے محمرہ، ناصریہ الاحواز، ششتر اور دزبول وغیرہ

عراق میں فی الحال ان کے صرف دو معبد باقی بچے ہیں اور بقیہ ڈھ گئے ہیں، بغداد میں ان کا ایک معبد حال میں بنایا گیا ہے۔

صابئہ کی اکثریت چاندی کی صنعت سے وابستہ ہے۔ زیورات، برتن اور گھڑیوں کو یہ چاندی سے آراستہ کرتے ہیں اور یہ صنعت عموماً اسی طبقہ میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے، کیونکہ وہ اس صنعت کے اسرار و رموز کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ لکڑی کی کشتیاں، لوہار کے کام، اور تحجر کی صنعت پر بھی انھیں عبور حاصل ہے۔ چاندی کی صنعت میں ان کی ماہرانہ دسترس کی بناء پر ان میں سے بعض کو بیروت، دمشق اور اسکندریہ کے علاوہ اٹلی، فرانس اور امریکہ تک جانے کا موقعہ ملا ہے۔ یہ لوگ سیاسی نقطہ نظر سے عاری ہیں۔ مختلف مذاہب کے ماننے والوں سے یہ مشترک نکات کے ذریعہ ربط و تعلق استوار کرتے ہیں۔

صابئہ کے فرقے

صابئہ کے قدیم فرقے چار ہیں: (۱) اصحاب الروحانیات (۲) اصحاب الہیاکل (۳) اصحاب الاشخاص (۴) حلولیہ

صابئہ کی اساس

صابئہ مختلف اقوام و ادیان سے متاثر ہوتے رہے ہیں جیسے مسیحیت، یہودیت اور مجوسیت، جدید افلاطونیت (جیسے عالم مادی پر روحانی فیض کا اعتقاد) اور عہد ابراہیم کی ستارہ پرستی سے یہ بڑی حد تک متاثر ہوتے ہیں۔ اس یونانی فلسفہ سے بھی یہ متاثر ہیں جو دین و دنیا کی تفریق کا قائل ہے۔

نتیجہ بحث

صابئہ ان قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے جو ایک خدا کے قائل رہے ہیں، قرآن مجید (البقرہ: ۶۲، المائدہ: ۶۹، الحج: ۱۷) میں ان کا تذکرہ صاحب کتاب امت کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ ان سے جزیہ لینے میں فقہاء کی رائیں مختلف رہی ہیں۔

البتہ بعد میں ان کے اندر فرشتہ پرستی اور ستارہ پرستی آگئی یا یہ کسی ایک دین کے پیرو نہ رہے بلکہ ہر ایک دین میں سے اچھا سمجھ کر کچھ اختیار کر لیا۔ اسلام کے آنے کے بعد دیگر مذاہب کی طرح یہ مذہب بھی سمٹ کر رہ گیا اور اس کے لئے اپنے مقام کو بچانا دشوار ہو گیا۔

☆☆☆

جامعہ کے لیل و نہار

عبدالرقیب فلاحی

تقریب تقسیم انعامات

۴ فروری ۲۰۱۲ء بوقت ۲ بجے دن ابو اللیث ہال میں انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کے زیر اہتمام مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب کے زیر صدارت تقریب تقسیم انعامات منعقد ہوئی۔ عزیزم بدر الدجیٰ متعلم عربی چہارم کی تلاوت کلام پاک سے تقریب کا آغاز ہوا۔ مولانا مقبول احمد فلاحی نائب صدر انجمن طلبہ قدیم نے اپنے افتتاحی کلمات میں فرمایا کہ انجمن کی طرف سے اس تقریب کے انعقاد کا مقصد یہ ہے کہ ارباب انجمن فراغت پانے والے طلبہ کو بہتر سے بہتر دیکھنا چاہتے ہیں، انجمن کی خواہش ہے کہ طلبہ و طالبات مزید آگے بڑھیں، اپنے وقت کا صحیح استعمال کریں، احیائے دین کا جذبہ لے کر یہاں سے جائیں، انجمن کی جانب سے جاری اس سلسلہ تقسیم انعامات کو حکیم محمد ایوب صاحب مرحوم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور ایسا حکیم مرحوم کی جامعہ کے حوالے سے ان کی خدمات اور نیک جذبات و خواہشات کے اعتراف میں کیا گیا۔

انھوں نے فرمایا کہ انسان کی کامیابی کے لئے سب سے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ مقصد زندگی کا تعین کر لیا جائے، نصب العین واضح کر لیا جائے، اس کے بغیر کامیابی اور کسی کارنامے کی انجام دہی ناممکن الحصول ہے۔ دوسری اہم شرط یہ ہے کہ اوقات کی تنظیم اور ترتیب بنائی جائے تاکہ وقت کا صحیح استعمال ہو سکے۔

مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب نے اپنے تذکیری کلمات میں فرمایا کہ پوری یکسوئی اور جد و جہد کے ساتھ حصول علم میں لگے رہنا کامیابی کی شاہ کلید ہے، انھوں نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وقت کا صحیح استعمال کرتے ہوئے اپنے مقصد کی تحصیل میں لگے رہیں، وقت ضائع کرنے سے کلی طور پر بچیں، وقت کی قدر و قیمت کو جانیں اور محسوس کریں۔

اس کے بعد تقسیم انعامات کا سلسلہ شروع ہوا، عربی ہشتم کے طلبہ عبدالرب حلیم، ابوالکلام، اسامہ نسیم کو مولانا عبدالحسیب صاحب نے انعامات سے نوازا۔ عربی ہفتم کے طلبہ کو مولانا محمد عمران

فلاحی نے، عربی ششم کے طلبہ کو مولانا محمد سلامت اللہ اصلاحی نے، عربی پنجم کے طلبہ کو مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مہتمم تعلیم وتربیت نے، عربی چہارم کے طلبہ کو مولانا عرفان احمد فلاحی نے، عربی سوم کے طلبہ کو مولانا محمد اسماعیل فلاحی نے، عربی دوم کے طلبہ کو محترم راشد حامدی فلاحی نے، شعبہ حفظ کے طلبہ کو مولانا انیس احمد مدنی صدر شعبہ اعلیٰ نے، درجہ اعدادیہ کے طلبہ کو ماسٹر سید عبداللہ صاحب نے، درجہ ہشتم کے طلبہ کو مولانا مطیع اللہ فلاحی نے، درجہ ہفتم کے طلبہ کو امیر فیصل فلاحی نے، درجہ ششم کے طلبہ کو ڈاکٹر محمد افضل فلاحی نے، درجہ پنجم کے طلبہ کو ابوالاعلیٰ سبحانی ایڈیٹر رفیق منزل نے، درجہ چہارم کے طلبہ کو مولانا محمد شعیب مدنی نے، درجہ سوم کے طلبہ کو مولانا اخلاق احمد کریمی نے، درجہ دوم کے طلبہ کو افضل حسین، ذوالقرنین حیدر اور تابش ذکی نے، درجہ اول کے طلبہ کو نعیم احمد غازی نے انعامات سے نوازا۔

واضح رہے کہ شعبۂ اعلیٰ میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو تین ہزار، دوسری پوزیشن والے کو دو ہزار اور تیسری پوزیشن والے کو بارہ سو روپئے نقد کے علاوہ توصیفی اسناد اور تحفوں سے نوازا گیا، شعبۂ ثانوی میں پہلی پوزیشن والے کو ڈھائی ہزار، دوسری پوزیشن والے کو ۱۸۰۰ سو روپے تیسری پوزیشن والے طلبہ کو ایک ہزار کی نقد رقم کے علاوہ تحفوں اور توصیفی اسناد سے نوازا گیا۔

آخر میں ہر شعبہ کے ٹاپر طلبہ کو مولانا عبدالحسیب اصلاحی نے شیلڈوں سے نوازا۔ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی نے اپنے اختتامی کلمات میں محمد امین کی آپ بیتی ''حیاتی'' کا ایک مخصوص اقتباس پڑھ کر سنایا اور پھر اس کی مختصر سی وضاحت فرمائی۔ مولانا عبدالحسیب اصلاحی کی دعا پر تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

تقریب یوم جمہوریہ

۲۶ رجنوری ۲۰۱۲ء ابواللیث ہال میں یوم جمہوریہ کی تقریب جناب مولانا عبدالعظیم صاحب فلاحی کے زیر صدارت منعقد ہوئی۔ ابوطاہر متعلم عربی پنجم کی تلاوت کلام پاک سے تقریب کا آغاز ہوا۔

متعدد طلبہ نے یوم جمہوریہ کی مناسبت سے اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کیا، مولانا مقبول احمد فلاحی نائب ناظم جامعۃ الفلاح نے طلبہ کو منفی سوچ سے گریز کرنے اور مثبت سوچ اختیار کرنے کی ترغیب دی کہ اس کے بغیر ترقی کی راہوں اور اس کے زینوں تک پہنچنا ممکن نہیں۔

صدر مجلس نے ملک کے ترنگے جھنڈے کے تینوں رنگوں کے مقاصد کی وضاحت کرتے

ہوئے کہا کہ ہرا رنگ ہریالی اور خوشحالی کی علامت ہے، سفید رنگ امن وشانتی جبکہ کیسریا رنگ کرانتی انقلاب اور قربانی کی علامت ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہمارا دستور یقیناً عمدہ دستور ہے اور دنیا کے دساتیر میں ایک امتیازی حیثیت کا حامل دستور ہے، لیکن دوسری طرف یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اس پر عمل نہیں ہو پا رہا ہے۔ ضرورت ہے ایمانداری کے ساتھ اس کو نافذ کرنے اور اس پر عمل کرنے و کرانے کی۔ مولانا محمد اسماعیل فلاحی کی دعا پر یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

مسابقہ درس قرآن

القرآن انسٹی ٹیوٹ لکھنؤ کی جانب سے جامعۃ الفلاح میں طلبہ اور طالبات کے درمیان ۱۶-۱۷ فروری بروز جمعرات و جمعہ کو درس قرآن کے مسابقہ کا انعقاد کرایا گیا، جس میں ۳۵ طلبہ اور ۲۲ طالبات نے حصہ لیا۔ پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کے درمیان ایک ہزار، سات سو اور پانچ سو کے بالترتیب نقد انعام کے علاوہ توصیفی اسناد اور ایک ایک شیلڈ سے بھی نوازا گیا اور جملہ شرکاء کو تشجیعی انعام سے نوازا گیا۔

القرآن انسٹی ٹیوٹ کے صدر جناب سکندر علی اصلاحی نے اپنے اختتامی کلمات میں مساجد میں دروس قرآن کو عام کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ سماج و ملک کی قیادت مساجد کے صحیح استعمال کے بغیر ممکن نہیں۔ مہتمم تعلیم وتربیت نے قرآن مجید کے امتیازات کا تذکرہ کرتے ہوئے طلبہ کو اس پر عمل پیرا ہونے اور اس کی تبلیغ واشاعت کے فریضہ کو انجام دینے کی ترغیب دلائی۔

تعزیتی نشست

۱۶ فروری کو ابواللیث ہال میں حافظ ابوبکر فلاحی کے انتقال پر ملال پر تعزیتی نشست رکھی گئی، جس میں شعبہ اعلیٰ کے جملہ اساتذہ وطلبہ شریک تھے، مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے مرحوم کے اوصاف اور خصائل حمیدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی دو صفات نمایاں تھیں۔ (۱) انکسار و تواضع (۲) اقامت دین کے لئے ہمیشہ اور ہمہ تن جدوجہد کرنا۔ آپ نے فرمایا کہ موصوف کے اہل خاندان مہدوی تحریک سے متاثر تھے۔ جماعت سے وابستگی کے بعد اس کے اثرات سے آزاد ہوئے۔ نیز اس خاندان کا تصوف سے گہرا تعلق رہا ہے۔ جس کی بنا پر مرحوم اور ان کے جملہ بھائیوں کے اندر انکسار کی صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

مولانا عبدالعظیم فلاحی صاحب نے مرحوم کا جامعہ سے قلبی تعلق اور اس کی تعمیر وترقی میں بھرپور اعانتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سامعین کو جامعہ کی تعمیر وترقی میں حتی المقدور حصہ لینے کی

ترغیب دلائی اور حاضرین سے مرحوم کے حق میں دعا کی گزارش کی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر کو نور سے بھردے۔ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

اظہار تعزیت

یہ خبر جملہ فلاحی برادران کے لئے بے حد باعث رنج وغم ہوگی کہ برادرم ڈاکٹر فخر عالم فلاحی (عالمیت/۱۹۹۵ء) ۲۲رجنوری کو اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تدفین بھاداپور گاؤں میں ان کے آبائی قبرستان میں ہوئی۔ نماز جنازہ ناظم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے پڑھائی۔

یہ خبر بھی فلاحی برادران کے درمیان بڑے رنج وغم سے سنی جائے گی کہ جناب جلال الدین فلاحی صاحب (فضیلت/۱۹۷۵ء) ۲۲رجنوری کو انتقال کر گئے۔

ادارہ حیات نو پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور خدا سے دست بدعا ہے کہ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں انھیں جگہ عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

اسی طرح یہ خبر بھی جملہ متعلقین جامعہ کے لئے باعث رنج وغم ہوگی کہ جامعہ کے ایک مخلص خادم جناب جنید احمد صاحب عرف تمکراں ۱۰رفروری کو اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ مرحوم نے ایک زمانے تک مطبخ کے نظام کو انتہائی سلیقہ اور عمدگی سے سنبھالا۔ دفتر نظامت میں ہیڈ کلرک کے فرائض بھی انجام دیے۔ انتہائی دیندار، اوراد واذکار اور صوم وصلوۃ کے پابند تھے۔ ہر ہر طالب علم پر دھیان دیتے اور انتہائی خوش اخلاقی اور ملنساری کا مظاہرہ کرتے۔ چلتے ہوئے ہی طلبہ کو ان کی غلطیوں پر تنبیہ کرتے جس سے ان کے اندر اپنی اصلاح کا شدید جذبہ پیدا ہوجاتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

محترمہ سلمیٰ جلیل صالحاتی صاحبہ کو صدمہ

یہ خبر متعلقین جامعہ کے درمیان انتہائی رنج وغم کے ساتھ سنی جائے گی کہ کلیۃ البنات کی سابقہ ہیڈ معلمہ جناب محترمہ سلمیٰ صاحبہ اور محترم عطاء الرحمن فلاحی صاحب کے والد محترم ۲۷رفروری کو عصر بعد اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم جماعت اسلامی کے رکن اور جامعہ کے ہمدردوں میں سے تھے۔ ان کی وفات سے جامعہ نے اپنا ایک مخلص حمایتی کھودیا۔ مرحوم کی تدفین ان کے آبائی گاؤں رسولپور میں ۲۸رفروری کو دو بجے عمل میں آئی۔ نماز جنازہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب ناظم جامعۃ الفلاح نے پڑھائی۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی غلطیوں سے درگزر فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

جمعیۃ الطلبہ کی سرگرمیاں

الحمدللہ جمعیۃ الطلبہ اپنی پوری ٹیم کے ساتھ طلبہ کی مخفی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں مشغول ہے۔ ہفتہ اقامت صلوۃ، ماہانہ تذکیروں، قلمی رسالوں کے اجراء، ہفتہ واری ثقافتی پروگراموں کے انعقاد کے علاوہ لائبریری کی تزئین وترقی اور مختلف مناسبتوں سے مجلسوں کے انعقاد کا اہتمام کراتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی ملوضہ ذمہ داریوں کو بھرپور طریقے سے انجام دینے کی توفیق بخشے۔

رپورٹ انجمن طلبہ قدیم یونٹ بلریاگنج

الحمدللہ ۲رفروری ۲۰۱۲ء بروز جمعرات انجمن طلبہ قدیم یونٹ بلریاگنج کی انتخابی نشست منعقد ہوئی جس میں پچیس فلاحی برادران نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز برادر محمد شارق فلاحی کی تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ مولانا امیر فیصل صاحب نے افتتاحی کلمات پیش کیے۔ صدر یونٹ ڈاکٹر محمد افضل فلاحی نے شوریٰ کے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے مفصل روشنی ڈالی اور نظامت کے فرائض معین الدین فلاحی نے انجام دیے۔ ہاؤس نے متفقہ طور پر میقات رواں ۲۰۱۲ء کے لئے درج ذیل منصوبے بنائے ہیں۔

۱- یونٹ بلریاگنج اپنی سہ ماہی میٹنگ پابندی سے منعقد کرتی رہے گی۔

۲- حیات نو کے لئے ایک خریداری مہم کا اہتمام والتزام کیا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ قصبہ میں کم ازکم ۱۰۰ خریدار بنائے جائیں۔

۳- تعلیمی میدان میں دس غریب و نادار طلبہ کو تعاون دیا جائے گا۔

۴- تعلیمی معیار کو بڑھانے کے لئے بلریاگنج کی سطح پر ایک انعامی مقابلہ کا انعقاد کرایا جائے گا۔

۵- بلریاگنج کے ممتاز طلبہ کو انعامات سے نوازا جائے گا۔

۶- رمضان المبارک کے موقع سے ایک افطار پارٹی منعقد کی جائے گی۔

پروگرام کے اخیر میں مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب (نائب صدر انجمن طلبہ قدیم) کی زیر صدارت انتخاب عمل میں آیا۔ اتفاق رائے سے برادر محمد افضل فلاحی کو صدر یونٹ منتخب کیا گیا نیز نائب صدر محمد ثاقب فلاحی کو بنایا گیا۔ سکریٹری کی حیثیت سے برادر معین الدین فلاحی کا انتخاب

عمل میں آیا۔ خازن کے لئے برادر امیر فیصل فلاحی کو منتخب کیا گیا۔

نمائندہ حیات نو کی حیثیت سے برادر سیف اللہ خالد فلاحی اور معاون ابوحمزہ فلاحی کو بنایا گیا۔ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مہتمم جامعۃ الفلاح کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام بھائیوں کو اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ریاض، سعودی عرب میں فلاحیوں کی تعزیتی نشست

۱۰ ارفروری کو ریاض، سعودی عرب میں بعد نماز عصر فرحان خاں کی رہائش گاہ پر حافظ ابوبکر صدیق فلاحی کے انتقال پرملال پر تعزیتی نشست رکھی گئی جس میں قرب وجوار کے فلاحی برادران کے علاوہ دیگر محبان کرام بھی تھے۔ عصر تا مغرب جاری رہنے والی اس نشست سے پہلے مرحوم کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آغاز میں برادر عبدالرافع نے مرحوم کی جامعۃ الفلاح، جامعہ ملیہ اسلامیہ، ایس آئی او اور حیدرآباد سے وابستگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ دینی جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ آخر دم تک تحریک کے لئے سرگرم رہے۔ انعام اللہ فلاحی اعظمی نے مرحوم کی اپنی مادر علمی سے محبت، اساتذہ کرام سے قلبی لگاؤ اور ادارہ کے لئے فراخدلانہ مالی تعاون کا تذکرہ کرتے ہوئے مرحوم کی تحریر کردہ اور ریکارڈ شدہ وہ ولولہ انگیز نظم بھی سامعین کے گوش گزار کی جو انھوں نے دوران مرض لکھی تھی۔ جنید احمد فلاحی نے جامعۃ الفلاح میں ان سے اپنے دیرینہ مراسم کا ذکر کرتے ہوئے خوشگوار یادوں کو نذر سامعین کیا۔ صابر شمسی فلاحی اور سعید اختر فلاحی نے جامعۃ الفلاح اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ان کی تعلیمی وتحریکی سرگرمیوں اور حصولیابیوں سے حاضرین کو واقف کرایا۔ برادران عبدالرؤف، وسیم قریشی اور مرحوم سے وابستہ دیگر حاضرین نے ان سے متعلق مختلف یادوں، ان کے حسن اخلاق اور دیگر اوصاف پر گفتگو کرتے ہوئے ان کے اعمال صالحہ کی قبولیت اور ان کی مغفرت نیز بلندی درجات کے لئے دعا کی۔ نشست کے آخر میں محترم شہزاد ناصر نے اس جواں مرگی پر شدید رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے حاضرین سے درخواست کی کہ وہ ابوبکر صدیق مرحوم کے ان رہنما خطوط پر چل کر اس تحریکی مشن کو آگے بڑھائیں جس کے لئے مرحوم آخر دم تک سرگرم رہے۔

واضح رہے کہ ابوبکر صدیق فلاحی گزشتہ دوسال سے بلڈ کینسر میں مبتلا تھے۔ دبئی میں اسلامک بینک میں ملازمت کے دوران انھیں یہ عارضہ لاحق ہوا تھا جس کا علاج کرنے پر افاقہ ہو گیا تھا اور دوبارہ ملازمت بھی شروع کردی تھی۔ چند ماہ قبل اس مرض نے پھر زور پکڑ لیا اور پھر انھیں مشیت ایزدی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ (ریاض یونٹ) ☆☆☆

50 Years
Golden Jubilee
1962 – 2012

الحمد للہ

گولڈن جوبلی

کے موقع پر

حیات نو کا اساتذہ نمبر

شائع ہوگا

جس میں جامعہ کے تاسیسی اساتذہ کرام کی حیات وخدمات پر خصوصی توجہ دی جائے گی،

اس کی تیاریاں جاری ہیں۔

جملہ فلاحی حضرات سے اس سلسلے میں قلمی تعاون نیز تجاویز ومشوروں کی درخواست ہے۔

امید ہے اس نمبر کی تیاری میں آپ لوگوں کا بھرپور تعاون حاصل ہوگا۔

مضامین، تجاویز اور مشورے حیات نو کے پتے پر ارسال فرمائیں۔

مولانا مقبول احمد فلاحی	انیس احمد مدنی
(مدیر مسئول)	(مدیر)